اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ
جنوری ۲۰۲۵ء

البرہان

لاہور

اسلام، مسلمان اور مغربی ٹیکنالوجی

مُدِیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan January 2025

ہمارا مشن

ہم مندرجہ ذیل منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ آپ کے تعاون کو خوش آمدید

۱۔ تحریکِ اصلاحِ تعلیم قیام: ۱۹۸۶ء۔ **مقصد:** جدید عصری تعلیم اور دینی مدارس کی تعلیم کی اصلاح۔ **کام جو کیا گیا:** دونوں طرح کے نظام تعلیم کی اصلاح کے لیے ۱۴ کتابوں کی تالیف واشاعت۔ کانفرنسز اور علمی ورکشاپس کا انعقاد۔ اساتذہ اور منتہی طلبہ کے لیے شارٹ کورسز۔ **مستقبل کے منصوبے:** ماڈل اسلامی یونیورسٹی، ماڈل اسلامی سکول اور ماڈل دینی مدرسہ کا قیام۔ اسلام پسند سکولوں کی نیٹ ورکنگ اور یونیورسٹیوں کی فراہمیٔ میٹریل۔ تعلیم، علوم ونصابی کتب کی اسلامی تشکیل نو۔ تعلیم میں قرآن حکیم کی لازمی تعلیم ہر سطح پر اور سارے علوم ونصابات کو قرآن کی روشنی میں از سرِ نو مدون کرنا۔

۲۔ تحریکِ رجوع الی القرآن قیام: ۲۰۱۸ء۔ مقصد: تمام مسلمانوں خصوصاً نسل نو کو قرآن حکیم سے جوڑنا، ان میں اردو ترجمہ کی صلاحیت پیدا کرنا تاکہ وہ قرآن حکیم کو سمجھ کر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کر سکیں۔ **کام جو ہو چکا:** 'تدریس القرآن' پراجیٹ کا آغاز۔ آسان طریقے سے قرآن حکیم کا اردو ترجمہ سکھانے کے لیے خصوصی پیکیج کی تدوین واشاعت۔ لاہور کے ایک ہزار سکولوں میں سپاروں کی فری تقسیم اور بلا معاوضہ ٹیچرز ٹریننگ۔ ۱۵ پاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ گھر بیٹھے لوگوں کی سہولت کے لیے ورک بک کی اشاعت۔ یوٹیوب پر اسباق کی اشاعت۔ **مستقبل کے منصوبے:** 'تدریس القرآن' کو سارے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور عام پبلک تک پہنچانا۔ سپاروں کی علیحدہ اور یکجا اشاعت۔ تدریس القرآن 'انگریزی' کی تدوین واشاعت۔ قرآن سنٹر کا قیام۔

۳۔ تحریکِ اصلاح المسلمین قیام: ۲۰۲۳ء۔ **مقصد:** مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کی اصلاح تاکہ وہ دنیا میں اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکیں اور آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔ **کام جو کیا گیا:** تحریک کے مقاصد، طریق کار اور لائحہ عمل کی تیاری اور اشاعت۔ **مستقبل کے منصوبے:** تحریک کے پیغام کو سب لوگوں تک پہنچانا۔ مختلف شعبے جن میں کام کرنا مقصود ہے یہ ہیں: ۱۔ تعلیمی اصلاح کی کوششوں اور تدریس القرآن کے کاموں کو مربوط کرنا۔ ۲۔ تزکیۂ نفس کے لیے تربیت گاہوں کا قیام۔ ۳۔ مساجد کو مرکز بنا کر معاشرے کی تنظیم ومدد سے کمیٹیاں بنا کر رفاہی کاموں کو منظم کرنا خصوصاً غریبوں کی مالی مدد، جھگڑے نمٹانا، امن وامان کی بحالی، تعمیری تفریح، تعلیم وعلاج میں مدد وغیرہ۔ ۴۔ سیاسی شعبہ کا قیام تاکہ وہ ریاست کو مزید بگاڑ سے بچانے کی کوشش کرے۔ اسلام کے صحیح سیاسی نظام کی تشکیل وتنفیذ۔ ۵۔ اصلاح معاشرہ کی سرگرمیاں۔

اس غرض سے ہم اتحاد بین المسالک کے لیے 'ملی مجلس شرعی'، علمی وفکری سرگرمیوں کے لیے 'مجلسِ فکر ونظر'، نشر واشاعت کے لیے ماہنامہ 'البرہان' اور تالیفات وتصانیف کے ذریعے کام کر رہے ہیں۔

مزید تفصیلات کے لیے:
0300-4354673 0336-1913636 www.alburhaan.pk
Prof.Dr. Muhammad Amin Muhammad Amin
Soneri Bank: PK92SONE0000120000056341

یہ اسباق یوٹیوب پر بھی موجود ہیں:
Prof.Dr. Muhammad Amin

تدریس القرآن

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

قرآن حکیم کا ترجمہ سیکھنے کے لیے

سبق: ۱۱

آیت (۴۷-۵۲)

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ۲۸۶ — رُكُوۡعَاتُهَا ۴۰

متن قرآن حکیم مع ترجمہ لفظی و بامحاورہ	قرآنی لفظ	اردو استعمال
يٰبَنِيۡۤ / اِسۡرَآءِيۡلَ / اذۡكُرُوۡا / نِعۡمَتِيَ / الَّتِيۡۤ / اَنۡعَمۡتُ	اذۡكُرُوۡا	ذکر، اذکار، ذاکر، تذکیر
اے بیٹو / اسرائیل کے / تم یاد کرو / نعمت میری / جو کہ / انعام کی میں نے		
اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو		
عَلَيۡكُمۡ / وَاَنِّيۡ / فَضَّلۡتُكُمۡ / عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿47﴾	فَضَّلۡتُكُمۡ	فضل، فضیلت، افضل
تم پر / اور میں نے / فضیلت دی میں نے تم کو / سارے عالمین پر۔	الۡعٰلَمِيۡنَ	عالَمِ اسلام، عالَمِ کفر
جو میں نے تم پر کی اور تمہیں سارے جہانوں پر فضیلت دی اور اس دن سے		
وَاتَّقُوۡا / يَوۡمًا / لَّا / تَجۡزِيۡ / نَفۡسٌ / عَنۡ نَّفۡسٍ / شَيۡـًٔا	اتَّقُوۡا	تقویٰ، متقی، متقین
اور تم ڈرو / دن / نہیں / تمہارے کام آئے گا / کوئی شخص / کسی شخص کے / کچھ بھی	تَجۡزِيۡ	جزائے خیر، جزاک اللہ
ڈرو جس دن کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا۔		
وَّلَا / يُقۡبَلُ / مِنۡهَا / شَفَاعَةٌ / وَّلَا / يُؤۡخَذُ / مِنۡهَا	يُقۡبَلُ	قبول، قبولیت، مقبول
اور نہیں / قبول کی جائے گی / اس سے / سفارش / اور نہ / وہ لیا جائے گا / اس سے	شَفَاعَةٌ	شفاعت، شفیع، شافعِ محشر
نہ اس سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے معاوضہ لیا جائے	يُؤۡخَذُ	اخذ کرنا، ماخذ، مواخذہ
عَدۡلٌ / وَّلَا / هُمۡ / يُنۡصَرُوۡنَ ﴿48﴾ / وَاِذۡ / نَجَّيۡنٰكُمۡ	عَدۡلٌ	عدل، عدالت، عادل
معاوضہ / اور نہ / وہ / مدد کیے جائیں گے۔ / اور جب / نجات دی ہم نے تمہیں	يُنۡصَرُوۡنَ	نصرت، ناصر، منصور، نصیر
گا اور نہ اس کی مدد کی جائے گی۔ اور (یاد کرو) جب ہم نے	نَجَّيۡنٰكُمۡ	نجات، فرقہ ناجیہ
مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ / يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ / سُوۡٓءَ / الۡعَذَابِ / يُذَبِّحُوۡنَ	سُوۡٓءَ	علماءِ سوء، اعمالِ سیئہ
قومِ فرعون سے / وہ پہنچاتے تھے تمہیں / برا / عذاب / وہ ذبح کرتے تھے	يُذَبِّحُوۡنَ	ذبح، مذبح، ذبیح
تمہیں قومِ فرعون سے نجات دلائی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے،		
اَبۡنَآءَكُمۡ / وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ / نِسَآءَكُمۡ ؕ / وَفِيۡ ذٰلِكُمۡ / بَلَآءٌ	اَبۡنَآءَكُمۡ	ابن، ابناء، بنون، بنات
تمہارے بیٹوں کو / اور وہ زندہ رکھتے تھے / تمہاری عورتوں کو / اور اس میں تھی / آزمائش	يَسۡتَحۡيُوۡنَ	موت و حیات، محی الدین
تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں	نِسَآءَ	حقوقِ نسواں، نسوانی انداز

متن قرآن حکیم مع ترجمہ لفظی و بامحاورہ						قرآنی لفظ	اردو استعمال
مِّنۡ رَّبِّكُمۡ	عَظِيۡمٌ (49)	وَاِذۡ	فَرَقۡنَا	بِكُمُ	الۡبَحۡرَ	عَظِيۡمٌ	اعظم، معظم، عظیم الشان
تمہارے رب کی طرف سے	بہت بڑی	اور جب	پھاڑا ہم نے	تمہارے لیے	سمندر کو	فَرَقۡنَا	تفریق، فرقہ واریت، فریق
تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے بڑی آزمائش تھی۔ اور (یاد کرو) جب ہم نے						الۡبَحۡرَ	بحرِ ہند، بحیرۂ روم
فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ	وَاَغۡرَقۡنَآ	اٰلَ فِرۡعَوۡنَ	وَاَنۡتُمۡ	تَنۡظُرُوۡنَ (50)		فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ	نجات، فرقہ ناجیہ
اور نجات دی ہم نے تمہیں	جبکہ غرق کیا ہم نے قوم	فرعون کو	جبکہ تم	دیکھ رہے تھے۔		وَاَغۡرَقۡنَآ	غرق کرنا، غریقِ رحمت
تمہارے لیے سمندر کو پھاڑا اور تمہیں نجات دی جبکہ تمہارے دیکھتے ہم نے قوم فرعون کو غرق کر دیا۔						تَنۡظُرُوۡنَ	نظر، منظر، نظارہ، ناظرین

اہم نکات

مشکل الفاظ کے معانی

۱۔ جوڑ کر لکھے گئے الفاظ: فَضَّلۡتُكُمۡ = فَضَّلۡتُ + كُمۡ یعنی فضیلت دی۔ مَیں نے، تم کو۔

فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ = فَ + اَنۡجَيۡنَا + كُمۡ یعنی پھر نجات دی ہم نے، تم کو۔

۲۔ عدل کے معنی انصاف کے ہیں یعنی نصف نصف۔ اسی سے اس میں برابری اور مساوی ہونے کا مفہوم پیدا ہو گیا یعنی ایک فریق نے اگر دوسرے کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو قاضی اسے اس کے مساوی بدلہ اور عوضانہ دلوائے گا یا جرم کے مطابق سزا دے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں لَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے جو معصیت کی ہے اس کے بدلے میں اس کے مساوی کوئی عوض معاوضہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

مفہوم کا خلاصہ

چونکہ یہود حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا نبی اور قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر رہے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں توبیخ کرتے ہوئے یاد دلا رہے ہیں کہ ماضی میں بھی تم نے ایسی حرکتیں کیں لیکن ہم نے تمہیں معافی دے کر سنبھلنے کے کئی مواقع دیے مثلاً:

- ہم نے تمہیں دوسری اقوام پر فضیلت دی اور تم میں نبوت کا سلسلہ جاری کیا۔
- فرعون کی حکومت تمہارے ساتھ ظلم کرتی تھی کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتی اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتی تھی۔ ہم نے تمہیں اس سے اس طرح نجات دلائی کہ تمہیں سمندر سے صحیح سالم گزار دیا اور انہیں پانی میں غرق کر دیا۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے کوہ طور پر گئے تو ان کی غیر موجودگی میں تم نے توحید چھوڑ کر گاؤ پرستی شروع کر دی اور بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ اس کے باوجود ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔
- لیکن تم پھر اب ویسی ہی حرکت کر رہے ہو کہ یہ جاننے سمجھنے کے باوجود کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے تم انہیں کو جھٹلا رہے ہو۔

حاصل کردہ سبق

۱۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے خصوصاً جب اللہ کسی مشکل صورت حال سے نکالے۔

۲۔ توحید پر مضبوطی سے جمے رہنا چاہیے اور شرک و بت پرستی سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے۔

۳۔ آخرت کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ انکارِ حق کے نتیجے میں اللہ کے عذاب سے نہ کوئی سفارش بچا سکے گی اور نہ رشوت و مال و دولت۔

ماہنامہ
البرہان
لاہور
Since 2010
جلد ۲۹
شمارہ ۱
برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk
جنوری ۲۰۲۵ء/ جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ

آئینہ مضامین

شذرات
۱۶ر دسمبر-سقوطِ ڈھاکہ کا المیہ، شام- امتِ مسلمہ کو مبارکباد ۴

اسلام اور پاکستان
دینی سیاسی جماعتیں تحریکِ انصاف سے سبق سیکھیں ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری ۷

عالمِ اسلام
-'شام' کی سحر کے امکانات پروفیسر ڈاکٹر محمد امین ۸
-گریٹر اسرائیل رضی الدین سید ۱۱
دریائے نیل سے دریائے فرات تک

علمی مذاکرہ: اسلام، مسلم اور مغرب کی ٹیکنالوجی
-اسلام اور عصری علوم مفتی منیب الرحمن ۱۳
-اسلام اور عصری علوم (سائنس وٹیکنالوجی) ڈاکٹر محمد امین ۳۱
-اسلام، مسلمان اور مغربی ٹیکنالوجی ڈاکٹر سید حسین نصر ۵۸

اشاریہ
اشاریہ البرہان ۲۰۲۴ء ادارہ ۸۹

English Section ۹۸
American Imperialist strategy in the Asia Pacific Region Dr. Javed Akbar Ansari

مدیر
ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ محمد عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر
محمد یحییٰ رشید، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0300-4107282)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت
اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِ اعانت: فی شمارہ 85 روپے
سالانہ 1000 روپے- پانچ سال: 5000 روپے
تاحیات 20,000 روپے

تحریکِ اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

شذرات

۱۶/دسمبر۔سقوطِ ڈھاکہ کا المیہ

سقوطِ ڈھاکہ ہماری ملی زندگی کا وہ زخم ہے جو ہمیشہ رِستا رہے گا لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم بحیثیت معاشرہ اور قوم اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ ہم نے اتنے بڑے المیے سے بھی سبق نہیں سیکھا، نہ ہماری اسٹیبلشمنٹ نے اور نہ ہمارے سیاستدانوں اور حکمرانوں نے۔ آج بھی پاکستان میں ۱۹۷۱ء جیسے حالات ہیں اور فوجی وسیاسی حکمران پاکستان میں عدم استحکام اور صوبوں میں منافرت پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔سوال یہ ہے کہ اگر ہم نے ماضی سے سبق نہ سیکھا تو اس انجام سے کیسے بچ پائیں گے جس کا ہمیں ماضی میں سامنا کرنا پڑا تھا۔

آج جبکہ بنگلہ دیش میں حالات بدل چکے ہیں اور وہاں لوگوں میں پاکستان سے تعلقات پر نظر ثانی کی خواہش نظر آرہی ہے تو ہمیں اس موقع پر خاموشی اور غیر جانبداری کا رویہ نہیں اپنانا چاہیے بلکہ آگے بڑھ کر گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بنگلہ دیش سے دوستی اور بھائی چارے کے تعلقات کو فروغ دینے کے لیے مؤثر اقدامات کرنے چاہئیں۔ ان سے دینی، عوامی، سیاسی، معاشی، تعلیمی میدانوں میں اشتراکِ کار کرنا چاہیے اور بتدریج ان کے ساتھ کنفیڈریشن کے قیام کی طرف آنا چاہیے تاکہ بھارت کی اسلام، مسلم اور پاکستان دشمن سازشوں کو ناکام بنایا جاسکے اور برصغیر میں مسلم مفادات کا تحفظ کیا جاسکے۔

شام۔امتِ مسلمہ کو مبارکباد

الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے شام کے مسلمانوں کو پچاس سال کے بدترین مظالم اور تعذیب سے نجات دی اور ایک بے رحم، ظالم اور بے دین ڈکٹیٹر سے ان کی جان چھڑائی لیکن یہ یاد رکھیے کہ اسرائیل اور اس کے سرپرست امریکہ ویورپ اسرائیل کے نواح میں ایک اسلامی ریاست کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

یہ مکمل فتح نہیں بلکہ فتح کی طرف پہلا قدم ہے اسرائیل نے شام پر تباہ کن حملے شروع کردیے ہیں اور بعید نہیں کہ وہ فلسطین کے بعد لبنان اور شام پر قبضہ کرکے گریٹر اسرائیل کے خواب کو پورا کرنے کی کوشش کرے اس لیے سارے عالم اسلام کا فرض ہے کہ وہ شام کی

حفاظت کے لیے مستعد و متحرک ہو جائے۔ غزہ کی عملی حمایت نہ کر کے ہم نے جرم عظیم کیا۔ اب اگر ہم نے شام کو بچانے کی کوشش بھی نہ کی تو ہم خدا اور رسول کو کیا منہ دکھائیں گے؟

کیا تشدد جائز ہے؟

اگر کسی عوامی گروہ کی طرف سے ہو یا حکومت کی طرف سے

ہم سے بعض لوگوں نے دریافت کیا ہے کہ ملک میں حالیہ تشدد کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ تشدد کا مطلب ہے جان و مال و املاک کا ضیاع۔ ہم اس بارے میں اپنی رائے دے رہے ہیں لیکن چونکہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے اس لیے ہم پاکستان کے مفتیانِ کرام اور کبار علماء سے درخواست کریں گے کہ وہ اس بارے میں عوام کی رہنمائی فرمائیں:

اگر عصر حاضر میں کوئی عوامی گروہ تشدد سے حکومت کا تختہ الٹنا چاہے تو ہمارے نزدیک یہ خلافِ حکمت ہے جیسا کہ حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادتوں کے بعد جمہور اہلِ سنت کا مؤقف ہے۔ اگر حکومت عوام پر تشدد کرے تو یہ ظلم ہے اور ناجائز ہے خواہ وہ قانونی ہو یا غیر اخلاقی اور غیر قانونی (Defacto)۔

ہمارا یہ مؤقف اصولی ہے۔ جہاں تک زمینی حقائق اور موجودہ صورتِ حال کا تعلق ہے تو عرض ہے کہ:

موجودہ حکومت پاکستانی عوام کی اکثریتی رائے کے مطابق غیر اخلاقی اور غیر قانونی (Defacto) ہے (جیسا کہ ۸ مئی ۲۰۲۴ء کے انتخابات سے ظاہر ہے) جبکہ تحریک انصاف نے کبھی طاقت سے حکومت بدلنے کا اعلان نہیں کیا، حکومت اگرچہ ان کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتی رہی ہے۔ لہٰذا حکومت کا حالیہ تشدد ناجائز ہے بلکہ یہ ردِّعمل کے طور پر ملک میں انارکی بڑھا سکتا ہے جس کا نقصان ناقابل تلافی ہوگا۔ ھذا ما عندی والعلم عنداللہ۔

حقِ نصیحت

مَیں ایک مسلمان اور پاکستان کے شہری کی حیثیت سے تحریکِ انصاف کی قیادت سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اپنی تحریک کو ہر قیمت پر پُرامن رکھے اور جو لوگ جہاد اور

بندوق وغیرہ کی بات کریں انہیں اپنی صفوں سے نکال دے۔ وہ یہ بھی سوچے کہ کیا اسلام آباد اور ڈی چوک پر احتجاج کے علاوہ عوامی احتجاج کی کوئی اور مؤثر صورت نہیں ہو سکتی؟

مَیں حکومت اور اسٹیبلشمنٹ سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ تحریکِ انصاف کا سیاسی سطح پر مقابلہ کرے اور اس کے خلاف ریاستی تشدد نہ کرے ورنہ ردِّ عمل میں تحریکِ انصاف بھی تشدد پر اُتر آئے گی اور اس طرح مملکتِ خداداد پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

دونوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی صفوں میں سے بڑھکیں مارنے والے Hawks کو پیچھے کر دیں (خصوصاً دو چہروں والے منافقین کو) اور معتدل مزاج لوگوں کو آگے رکھیں تاکہ ملک وملت کو نقصان نہ پہنچے۔

بقیہ: دینی سیاسی جماعتیں تحریکِ انصاف سے سبق سیکھیں

البرہان

ہم ڈاکٹر انصاری صاحب کی تجاویز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان میں دو تجاویز کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ جب تک عوام کی اصلاح نہ ہو، جو انقلاب آپ کے پیش نظر ہے، اس کے حوالے سے تعلیم وتربیت، دعوت واصلاح اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام کو اپنا ہم خیال نہ بنالیا جائے، نہ معاشرے کی سطح پر ریاست در ریاست کا کام کیا جاسکتا ہے اور نہ سیاسی جدوجہد میں کامیابی مل سکتی ہے لہٰذا اس پر بنیادی توجہ دینا ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ موجودہ حالات میں دینی سیاسی جماعتوں خصوصاً جماعت اسلامی کو تحریک انصاف سے نہ صرف سبق سیکھنا چاہیے بلکہ عوام میں عمران خان کی مقبولیت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور ساری دینی جماعتوں کو مل کر تحریک انصاف سے معاہدہ کرنا چاہیے۔ ان کے سامنے متفقہ اسلامی مطالبات رکھنے چاہئیں اور اپنی بنیادی باتیں منوا کر اس کی کھل کر حمایت کرنی چاہیے تاکہ وہ کامیاب ہو کر حکومت بنا سکے اور اس کے اتحادی کی حیثیت سے وہ بھی عوام میں جا کر کام کر سکیں۔

اسلام اور پاکستان　　ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

دینی سیاسی جماعتیں تحریکِ انصاف سے سبق سیکھیں

[ڈاکٹر انصاری صاحب کے طویل مضمون کا خلاصہ۔ادارہ]

دینی سیاسی جماعتوں کو تحریک انصاف کی حمایت کرنی چاہیے۔البرہان

ہماری دینی سیاسی جماعتوں خصوصاً جماعت اسلامی کے سامنے ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ عوام کی طاقت سے مغرب کی الحادی فکر وتہذیب اور نظام سرمایہ داری کے غلبے کو چیلنج کرے اور اسے ردّ کرتے ہوئے اسلام کو بحیثیت نظام زندگی پاکستان میں نافذ کرے۔ یہ کام چونکہ عوام کی حمایت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور ہمارے دیکھتے عمران خان عوام کو متحرک کرنے اور عوامی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں لہٰذا دینی جماعتوں خصوصاً جماعت اسلامی کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ عمران خان نے یہ منزل کیسے سر کر لی؟ تا کہ وہ بھی عوام میں مقبولیت کی منزل سر کر سکیں۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عمران خان میں کچھ خوبیاں ہیں۔ وہ کرپٹ نہیں، اپنے مؤقف پر سٹینڈ لے سکتا ہے اور اس کے لیے قربانی دے سکتا ہے، مصائب جھیلنے کی سکت رکھتا ہے اور جرأت مند ہے۔ اس نے کرپٹ سیاسی جماعتوں سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ اس نے پاکستان کو کرکٹ ورلڈ کپ میں کامیابی دلائی، شوکت خانم کینسر ہسپتال اور نمل یونیورسٹی جیسے فلاحی منصوبے کامیاب کر کے دکھائے اور اس کی طویل سیاسی جدوجہد اس کی کرشماتی شخصیت کو عوام کی نظروں میں خوشنما بن گئی، اس کے باوجود کہ وہ کوئی بڑا نظریاتی اور انقلابی نہیں ہے اور مغربی طرز پر آزادی اور ترقی ہی کے خواب دیکھتا ہے۔ جماعت اسلامی کو چاہیے کہ وہ دوسری دینی سیاسی وغیر سیاسی تنظیموں، جماعتوں کو ساتھ ملائے اور سیاسی جدوجہد کے ساتھ مسجد کو مرکز بنا کر محلے کی سطح سے لے کر اوپر تک تعلیم وتربیت، امن وامان، غربت میں کمی، عدل وانصاف اور خدمت خلق کے لیے ریاست کے اندر ریاست قائم کرے اور اس کی قوت سے سیاسی جدوجہد میں کامیابی حاصل کرے، مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو ردّ کر دے اور اسلام کو بحیثیت نظام زندگی غالب کر دے۔ (بقیہ صفحہ نمبر:۶)

عالمِ اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

'شام' کی سحر کے امکانات

زمینی حقائق

ملکِ شام کو بلکہ پوری امت کو مجاہدین کی فتح مبارک۔ خبر خوش کن ہے لیکن حالات اتنے پیچیدہ ہیں کہ اس شام کی سحر ہوتی نظر نہیں آتی الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کو خصوصی نصرت سے نوازیں اور یہ حکمت، دانش اور جرأت سے کام لیں۔

صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا کی طاقتور قومیں مجاہدین کی حکومت کو گرانے کے لیے غرّا رہی ہیں۔ اسرائیل اور اس کی پشت پر امریکہ و یورپ۔ دوسری طرف ایران اور اس کی پشت پر روس اور نواح میں اس کے پراکسی لبنان میں حزب اللہ اور یمن میں حوثی۔ اور دنیاوی لحاظ سے مجاہدین کا حامی صرف ترکیہ۔ عالمِ اسلام امریکی حکمت عملی کے مطابق گہری نیند میں ہے اور اس کے گماشتے حکمران فوجی ہوں، بادشاہ ہوں یا سِولین ڈکٹیٹر سب آنکھ سے دیکھ تو سکتے ہیں لیکن لَب ہلانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ان حالات میں شام میں برسرِ اقتدار آنے والے مجاہدین کے لیے دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ جس خدا نے ملک میں ۳ فیصد زندیق نصیری شیعوں کی پچاس سالہ آمریت کو ختم کرنے میں ان کی نصرت فرمائی کیا اور صرف شیعہ ہونے کی بناء پر ایران نے ان کی حمایت میں جو ہو سکا، کیا۔ وہ آمریت جس نے ۸۰ فیصد اہل سنت پر ہر وہ ظلم توڑا جس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ تقریباً ۵ لاکھ سنّی مسلمان اس نصف صدی میں شہید کر دیئے گئے، زندانوں میں دھکیل دیئے گئے جہاں ان پر انسانیت سوز مظالم کیے گئے جہاں ان کو لباس اور کھانے سے محروم رکھا جاتا تھا اور شیروں کے جنگلوں میں لقمۂ خوراک بنایا جاتا تھا۔ ان کے گھروں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا اور دنیا کا کون سا ظلم ہے جس کا تصور کیا جا سکتا ہے، وہ ان سنّی مسلمانوں پر نہ توڑا گیا ہو اور ان پر زبردستی اقتدار مسلط نہ کیا گیا ہو جس کے نتیجے میں پچاس لاکھ کے قریب مسلمان ترکیہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ ایران کا یہ جرم بھی ناقابل فراموش ہے کہ اس نے صرف تشیع کو پھیلانے کے لیے پہلے امریکہ

سے خفیہ ساز باز کر کے عراق سے صدام کی سنّی حکومت کو ختم کرایا، پھر وہ شام کی اقلیتی شیعہ حکومت کی مدد کو آیا تا کہ سنّی اکثریت کو دبا کر رکھا جا سکے۔ پھر اس نے یمن کے شیعہ حوثیوں کو سعودی عرب سے لڑایا اور لبنان میں شیعہ عنصر کو 'حزب اللہ' کی سربراہی میں سنّی مسلمانوں کو کمزور کیا تا کہ علاقے میں شیعہ عنصر کو تقویت ملے اور مشرق وسطیٰ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا جائے۔ لطف یہ ہے کہ اس کے ان منصوبوں میں امریکہ اور روس دونوں نے مدد کی کیونکہ دونوں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور انہیں پھلتا پھولتا دیکھنے پر ناخوش ہیں۔ ان حالات میں سمجھا جا سکتا ہے کہ شام کے سنّی مجاہدین کے لیے برسر اقتدار رہنے کے کتنے امکانات ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی نصرت فرمائیں، ان کے لیے آسانیاں پیدا کریں، انہیں عقل و ہمت اور جرأت سے نوازیں تا کہ وہ دینی جوش و جذبے سے شام کے حالات سنوار سکیں۔

مذہبی پہلو

'علم آخر الساعۃ' کے حوالے سے چونکہ شام کے متعلق احادیث موجود ہیں لہٰذا بہت سے اہل علم اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ممکن ہے یہ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا زمانہ ہو اور کفر و اسلام میں فیصلہ کن جنگ ہو جس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائیں۔ اس معاملے میں یہ پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں میں حضرت مسیحؑ کی دوبارہ آمد کے حوالے سے اپنا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ اہلِ سنت اور اہلِ تشیع میں بھی حضرت مہدی کے حوالے سے نقطۂ نگاہ میں فرق ہے۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آخر الساعہ کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیان کردہ اکثر نشانیاں پوری ہو چکی ہیں بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں لیکن اس کے باوجود اس امر کا محض اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے کہ وہ وقتِ موعود آ چکا ہے یا نہیں، اور یہ اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی۔

لیکن جو کام ہمارے کرنے کا ہے اور معاف کیجیے گا وہ ہم کر ہی نہیں رہے وہ یہ ہے کہ ہر فرد اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرے۔ خود اچھا مسلمان بنے، اپنی اولاد کو اچھا مسلمان بنائے، نیکی کا ماحول پیدا کرے اور نیک حکمرانوں کو برسر اقتدار لانے

کی جدوجہد کرے تاکہ اگر ہم امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا زمانہ نہ بھی پائیں تو اپنی ذمہ داریوں سے تو سرخرو ہوں۔ دنیا میں اطمینانِ قلب سے فرحت پائیں اور آخرت میں اللہ سے نجات کی امید رکھیں۔لیکن اس کے برعکس ہماری حالت تو اس وقت یہ ہے کہ ہم منافقت کا بدترین نمونہ ہیں۔حبِّ دنیا، حبِّ مال اور مادہ پرستی نے ہمیں شیطان کا پجاری بنا رکھا ہے اور ہم سب کچھ کررہے ہیں لیکن دین پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔اگر ہماری یہی حالت رہی تو امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ بھی جائیں تو شاید ہمیں نہ ان کی معرفت نصیب ہو اور نہ ان کی متابعت کی توفیق ہی ملے۔العیاذ باللہ۔فاعتبروا یااولی الابصار۔

بقیہ: گریٹر اسرائیل

صیہونیوں کی سازشوں سے بے خبر یہود دوست ممالک اور دانشوروں کو معلوم رہنا چاہیے کہ ''گریٹر اسرائیل'' کا نعرہ ازخود ہی اپنے اندر خباثت لیے ہوئے ہے۔اسرائیل خواہ کتنی ہی تاویلیں کرلے، یہ بات طے ہے کہ اسرائیل اپنی سرحدیں منصوبے کے تحت پھیلاتا ہی چلا جائے گا جو فلسطین میں آج بھی آگے ہی بڑھتی جارہی ہیں۔آج کا اسرائیل وہ نہیں ہے جو ۱۹۴۸ میں تھا جب اس کے وجود کا اعلان کیا گیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ فلسطین کے اندر کالونیاں تعمیر کرتا چلا جارہا ہے۔جس قوم کا کہنا ہو کہ یہاں سے وہاں تک کا پورا علاقہ خود خدا نے انہیں دیا ہے، تو اس کی جتنی چاہے وہ وضاحتیں کرتے رہیں، اپنے منصوبے کو عملی جامہ تو ضرور ہی پہنانا چاہیں گے۔

کسی بھی مسلم حکومت کو یہ نکتہ نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔تاہم اس بار اسرائیل کا واسطہ ایسی جماعت (حماس) سے پڑا ہے جس کے مجاہد، سخت جان اور نظریاتی ہیں اور جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کرتے ہیں۔باوجود بے شمار جانی و مالی نقصانات کے، وہ دشمن سے کسی بھی قیمت پر مصالحت کے لئے تیار نہیں ہیں۔اس لئے یہی مجاہدین مستقبل قریب میں صیہونی ریاست کے گریٹر اسرائیل کے منصوبوں کو بھی ان شاء اللہ خاک میں ملائیں گے اور تمام دنیا پر اپنی حاکمیت کے جو دیگر سازشی منصوبے وہ پالے ہوئے ہے، انہیں بھی خس وخاشاک کی نذر کرکے رہیں گے۔

عالمِ اسلام

رضی الدین سید

گریٹر اسرائیل
دریائے نیل سے دریائے فرات تک

برطانوی میڈیا نے کبھی یہ سوال اٹھایا تھا کہ دریائے نیل سے نہرِ فرات تک پھیلے 'گریٹر اسرائیل' کا تصور آیا صرف 'شدت پسندوں کا خواب' ہے یا یہ کوئی ٹھوس منصوبہ ہے۔'ایک دن آئے گا جب ہماری سرحدیں لبنان سے لے کر سعودی عرب کے عظیم صحراؤں سے ہوتی ہوئی، اور بحیرہ روم سے لے کر نہرِ فرات (عراق) تک پھیلی ہوں گی'۔جنوری ۲۰۲۴ میں ایک صیہونی سیاست دان ''ایوی لِپکن'' کا وہ وڈیدیو بہت وائرل ہوا تھا جس میں اس نے گریٹر اسرائیل کے تصور پر بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہماری سرحدیں آخر کار لبنان، صحرائے عظیم (سعودی عرب)،نیل، مکہ،اور مدینہ تک پہنچ کر رہیں گی۔(گوگل۔ مڈل ایسٹ پولیٹیکل اینڈ اکنامیکل انسٹی ٹیوٹ)۔

اسرائیل کی جانب سے غزہ کے بعد لبنان اوراب شام پر حملوں سے سوشل میڈیا پر ایک بار پھر سے 'گریٹر اسرائیل' کے تصور کی گونج ہے۔اس کی ایک وجہ غزہ میں زمینی کارروائی کے دوران کچھ سوشل میڈیا پوسٹس تھیں جن میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ بعض اسرائیلی فوجیوں نے اپنے یونیفارم پر'گریٹر اسرائیل' کے نقشے کا بیج پہن رکھا ہے جبکہ انتہائی دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے اسرائیلی وزرا کی جانب سے بھی ماضی میں اس تصور کا ذکر کیا جاتا رہا ہے۔اسرائیل میں بہت سے یہودی اس خطے کو'ایرٹز اسرائیل' یا 'ارضِ اسرائیل' کے نام سے جانتے ہیں اور یہ اسرائیل کی موجودہ سرحدوں سے کہیں بڑا جغرافیائی علاقہ ہے۔

گریٹر اسرائیل کا تصور کوئی نیا خیال نہیں ہے۔مگر یہ تصور کہاں سے آیا اور''پرامزڈ لینڈ'' (Promised Land) میں کون کون سے علاقے شامل ہیں؟، یہ جاننے کے لیے ہمیں کئی سو سال پیچھے جانا پڑے گا۔صیہونیت کے بانی تھیوڈور ہرزل کے مطابق 'پرامزڈ لینڈ' یا گریٹر اسرائیل کے نقشے میں، مصر میں دریائے نیل سے لے کر عراق میں نہرِ فرات تک کے علاقے

شامل ہیں۔ یعنی فلسطین، لبنان، اردن، عراق، ایران، شام، مصر، ترکی اور سعودی عرب بھی!۔بی بی سی سے بات کرتے ہوئے ایک صیہونی دانشور ''تقی نصیرات'' کا کہنا تھا کہ اسرائیلوں کا ماننا ہے کہ بائبل میں درج حوالوں اور تاریخی اعتبار سے اسرائیل ان زمینوں کا حقدار ہے جو نہ صرف 'دریا سے سمندر تک' بلکہ 'دریا سے دریا تک' پھیلی ہوئی ہیں۔ دریائے فرات سے دریائے نیل تک۔اوران کے درمیان کے تمام علاقے!

برطانیہ کی برمنگھم یونیورسٹی میں مشرق وسطیٰ کے امور کے ماہراور 'کنگ فیصل سینٹر فار ریسرچ اینڈ اسلامک سٹڈیز' سے منسلک ایسوسی ایٹ فیلو'' عمر کریم'' نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ یہودی مذہب کے مطابق گریٹر اسرائیل سے مرادمشرقِ وسطی میں وہ تمام قدیمی علاقے ہیں جوسلطنتِ عثمانیہ کا حصہ تھےاور جہاں یہودی آباد تھے۔(جنگ کراچی ۳۰/اکتوبر ۲۰۲۴ء)۔ظاہر ہے کہ اس میں مدینہ بھی شامل ہے جہاں یہودی رہے تھےاور جو پہلے عثمانی سلطنت کا حصہ تھا۔

۱۹۸۸ء میں بینک آف اسرائیل نے نیل سے فرات تک کے علاقے کا ۱۰ پیسے کاایک سکہ جاری کیا تھاجس کی بعد میں یہ کہہ کر تردید کردی تھی کہ اس سکے کی غلط تشریح کی جارہی ہے۔اسی طرح اسرائیلی پرچم پراوپر نیچے دونیلی پٹیوں کوبھی مصراورعراق کے دودریاؤں سے تشبیہ دی جاتی ہےجس کا مطلب ہے کہ یہ وہ خطہ زمین ہےجس کا وعدہ ان کی الہامی کتابوں میں ہے، اس حقیقت سے قطع نظر کہ وہاں کون رہتے بستے ہیں۔(حوالہ وکی پیڈیا)۔تورات کتابِ پیدائش میں کہا گیاہے کہ ''خدانے ابراہیم کو یہ پیمان دیا کہ میں تیری نسل کو یہ ملک دوں گا، مَیں ان کو دریائے مصر سے دریائے فرات تک کے علاقے دوں گا'' (آیات ۱۸، ۱۹)۔ گوگل اس ضمن میں بتاتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت موجودہ اسرائیل، فلسطین اور شام کے کچھ حصے تک پھیلی ہوئی تھی۔

چنانچہ اسی بنیاد پر جب ہم سعودی عرب کو اسرائیل کوتسلیم کرنے میں پیش رفت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ سعودی حکمرانوں کی نظروں سے کیا'' گریٹر اسرائیل'' کی یہ مجوزہ سرحدیں کبھی نہیں گزریں؟ (بقیہ صفحہ نمبر:۱۰)

علمی مذاکرہ/اسلام اور مغرب مفتی منیب الرحمٰن

اسلام اور عصری علوم

امریکہ کے دورے کے دوران ٹینیسی سٹیٹ میں ڈاکٹر شہرام ملک کے ہاں مختلف شعبوں کے ماہرین اور ڈاکٹر حضرات کے ساتھ ایک علمی اور فکری نشست ہوتی ہے، اس میں افادہ واستفادہ ہوتا ہے اور مَیں اسے اپنے لیے نہایت مفید سمجھتا ہوں۔ مشہور ماہرِ امراضِ چشم جناب ڈاکٹر خالد اعوان ورجینیا سٹیٹ میں رہتے ہیں، اُن کا تفاسیر وشروحِ حدیث اور اسلامی علوم کا بڑا گہرا مطالعہ ہے اور امریکہ میں رہتے ہوئے عصری علوم اور جدید رجحانات سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ اُن کے ہاں ہر ہفتے مجلسِ درس منعقد ہوتی ہے جس میں مختلف شعبوں سے وابستہ اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات شرکت کرتے ہیں۔ اس لیے میں ہمیشہ اُن سے رابطے میں رہتا ہوں اور استفادہ کرتا رہتا ہوں اور بعض معلومات قارئین تک بھی پہنچاتا ہوں۔

ایک عرصے سے ہمارے ہاں دینی ذہن رکھنے والے تعلیم یافتہ سکالرز کا ایک طبقہ ایک فکر کی ترویج کررہا ہے اور وہ اپنے مؤقف کی تائید میں بعض مغربی فلاسفہ اور اہلِ علم کے حوالے بھی پیش کرتا ہے۔ اس فکر کا خلاصہ یہ ہے: تہذیبِ مغرب یا مغربی طرزِ زندگی کے اجزائے ترکیبی سیکولرازم، لبرل ازم، انڈسٹریل ازم، سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ ہیں''۔ میں اُن کے اخلاص پر شک نہیں کرتا، لیکن اس سے یہ تاثر سامنے آتا ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی اور سیکولرازم ولبرل ازم لازم وملزوم ہیں''۔ یہ حضرات عصری علوم کے محققین ہیں اور اپنی فکر میں اتنے متصلّب ہیں کہ دین کے میدان میں کام کرنے والے بہت سے حضرات کی فکر اور طرزِ عمل سے بھی مطمئن نہیں ہیں۔ یہ سکالر یہ تاثر دیتے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی دنیا میں غلبے کی ضمانت نہیں ہے، ورنہ اُن کے بقول امریکہ کو افغانستان میں شکست نہ ہوتی''۔ ان کے نزدیک یہ جذبۂ ایمانی اور جذبۂ جہاد کے مقابل سائنس اور ٹیکنالوجی کی شکست ہے، پس ثابت ہوا کہ سائنس وٹیکنالوجی اور دنیاوی غلبہ لازم وملزوم نہیں ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری، ڈاکٹر خالد جامعی اور ان کے ہم خیال سکالر اس فکر کے داعی ہیں۔ نظریات میں ایسے تفرّدات کے حامل

فلسفی خال خال امریکہ اور مغرب میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک پولیو اور کورونا ویکسین مہمات وغیرہ کے پیچھے بھی مغرب کی سازش ہے۔ یہ اسلامی بینکنگ یا اسلامی فنانسنگ کی موجودہ صورتوں کو بھی سود ہی کی ایک شکل سمجھتے ہیں، لیکن کوئی متبادل اقتصادی ڈھانچہ فراہم نہیں کرتے۔ اس حقیقت کا ادراک بھی نہیں کرتے کہ ہم نے کوئی انقلاب برپا کیا ہے، نہ ہمارے ہاں کسی انقلاب کے آثار ہیں کہ موجودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر ازسرِ نو خالص اسلامی نظام کی بنیاد رکھی جائے، ہمارے پاس تاحال ایسی قیادت یا ایسے حالات نہیں ہیں۔ ایک جاری نظام کے اندر رہتے ہوئے خیر کے حصول کی گنجائش پیدا کرنا ہماری مجبوری ہے۔ یقیناً اس میں خیرِ کُل نہیں ہے لیکن کیا خیرِ قلیل کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے؟ پس اصل اُلجھن اور پیچیدگی یہی ہے۔ یہ حضرات دستیاب خیر سے استفادہ کرنے والوں کو مصلحت پسند، کم ہمت اور سمجھوتا کرنے والے سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب نے ایک صاحبِ علم کا قول نقل کیا تھا: خیرِ قلیل کو چھوڑنا بھی شرِ کثیر ہے''۔

ہمیں شرحِ صدر ہے کہ جمہوریت اپنی جبلّت اور بنیادی ساخت کے اعتبار سے سیکولر ہے، اس میں خیر وشر کا فیصلہ کرنے کے بارے میں اجماعی یا اکثریتی رائے فیصلہ کُن ہے۔ صائب رائے کی شرط نہیں ہے، بلکہ وہ اکثریتی رائے ہی کو درستیِ فکر و عمل کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔ ہماری دستوری ساخت بھی یہی ہے کہ دستیاب حالات میں اسلام کے حوالے سے جو زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے، اس کی کوشش کی جائے کیونکہ ہم نظام کو بدلنے پر قادر نہیں ہیں۔

ہماری رائے میں افغانستان میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو میدانِ جنگ میں شکست نہیں ہوئی بلکہ انہیں اپنے مقاصد کے حصول میں ناکامی ہوئی۔ انہیں وہاں مزید قبضہ جمائے رکھنا اپنے مقاصد کے لیے مفید نظر نہیں آیا، اسے وسائل کا ضیاع سمجھا لہٰذا بستر بوریا سمیٹ کر چلے گئے اور ڈھائی ہزار ارب ڈالر کے قریب ان کا لگایا ہوا سرمایہ رائیگاں گیا۔ انہوں نے افغانستان کو چلانے کے لیے مقامی فوج اور کٹھ پتلی حکومت کا جو ڈھانچہ تیار کیا تھا وہ طالبان کی یلغار کے آگے نہ ٹھہر سکا بلکہ انہیں اپنے مقامی معاونین اور جاسوسی نیٹ ورک سے وابستہ افغانوں کی ایک بڑی تعداد کو امریکہ اور یورپ میں مستقل پناہ دینی پڑی۔

دراصل ویتنام یا افغانستان میں امریکی فوجیوں کے پاس جنگ کا ایندھن بننے کے لیے

کوئی ایمانی یا اخلاقی جواز تھا نہ وہ اپنے ملک کی سلامتی یا دفاع کی جنگ لڑ رہے تھے، بلکہ یہ جنگیں توسیع پسندی اور دنیا کو اپنے زیرِ اثر لانے کے لیے تھیں۔ سو افغانستان سے نکلنے کے باوجود ابھی دنیا کو اُن کے سیاسی اور اقتصادی غلبے سے نَجات نہیں ملی۔ کیا پونے دو ارب مسلمانوں اور ستاون مسلم ممالک کا فلسطینیوں کے تحفظ کے لیے بے اثر ہونا اس کی واضح دلیل نہیں ہے؟ کیا عراق، شام اور لبنان شکست وریخت سے دوچار نہیں ہوئے، یمن تقسیم سے دوچار نہیں ہے؟ سوڈان اور انڈونیشیا کو مجبور کر کے دو مسیحی ممالک قائم نہیں کیے گئے۔ تائیوان چین کے آگے شاید ایک گھنٹہ بھی نہ ٹھہر سکے، لیکن تاحال امریکی سائبان تلے وہ آزاد ملک ہے۔ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد رشین فیڈریشن نے سنبھالا تو لیا ہے، لیکن ابھی تک اُس کے متوازی سپر پاور بننے کی منزل بہت دور ہے، چنانچہ وہ یوکرین کی جنگ میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ چین اقتصادی اعتبار سے بلاشبہ ترقی کر رہا ہے، لیکن ابھی تک مغربی بالادستی کو چیلنج کرنے کی حیثیت میں نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اسی لیے امریکہ اور مغرب سے براہِ راست محاذ آرائی سے بچتے ہوئے کوشاں ہے لیکن چین یا روس کا نہ امریکہ اور مغرب سے کوئی تہذیبی تصادم ہے، نہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے بیگانہ ہو کر کسی کامیابی کی امید لگائے بیٹھے ہیں، اُن کی ترقی کا زینہ بھی سائنس اور ٹیکنالوجی ہی ہے۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ افغانوں نے ٹیکنالوجی کے استعمال کے بغیر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو شکست دی۔ اگرچہ فتح وشکست کے معیارات بھی اپنے اپنے ہیں لیکن گوریلا جنگ لڑنے والے افغان مجاہدین خودکش یا ریموٹ کنٹرول حملوں میں اسی دستیاب ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے تھے۔ یہ تو نہیں کہ وہ وظائف پڑھ کر اُن کو زیر کر دیتے تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر ظاہری اسباب کے ساتھ قوتِ ایمانی بھی مضبوط ہو تو قرآنِ کریم میں ضرور یہ وعدہ ہے کہ اگر تم میں بیس صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سو (صابر) ہوں گے تو ہزار پر غالب آجائیں گے'' (الانفال: 65)۔ یعنی ایک اور دس کا تناسب ہے تو بھی حق غالب آجاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ا،ب اللہ نے تمہارے لیے تخفیف فرمادی ہے اور اُسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری (درآئی) ہے، سو اگر تم میں سو صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر ایک ہزار (صابر) ہوں گے تو دو ہزار پر غالب آجائیں گے'' (الانفال:66)۔ یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ضُعف کے پیشِ نظر ایک اور

دو کا تناسب مقرر فرمایا۔ لیکن یہ کہیں نہیں ہے کہ دستیاب اسباب سے بھی صَرفِ نظر کر کے مسلمان اندھا دھند میدان میں کود جائیں، بلکہ اس کے برعکس فرمایا: اور (اے مسلمانو!) تم سے جس قدر ہو سکے، اپنے دشمنوں سے مقابلے کے لیے (حربی) طاقت اور (جنگ کے لیے) بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو' (الانفال: 60)۔

نیز حدیث پاک میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: سنو! طاقت پھینکنے (کی صلاحیت) کا نام ہے' (مسلم: 1917)۔ راکٹ ٹیکنالوجی بھی رَمی' ہی کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے، اسی ٹیکنالوجی سے اہلِ مغرب چاند اور دیگر سیاروں تک پہنچے ہیں، خلا میں اُن کے سیٹلائٹ (مصنوعی سیارچے) معلّق ہیں، اُن کا سارا جدید ترین اطلاعاتی وحربی کمپیوٹرائزڈ نظام انھی سیارچوں کے ذریعے کنٹرول ہوتا ہے۔

(۲)

تاریخی حقائق یہ ہیں کہ جب سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور وہ عقائد اور اعمال میں بھی اسلام پر سختی سے کاربند تھے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں غلبہ عطا فرمایا، لیکن جوں جوں وہ علم کے میدان میں پیچھے رہتے چلے گئے، اُن کا زوال تیز تر ہو گیا۔ اسلام سائنس اور ٹیکنالوجی اور علم کی ترقی میں بہت بڑا معاون ہے۔ سیکولرازم فقط مادّی مفادات کے حصول اور دین کو انفرادی اور اجتماعی زندگی سے نکالنے کا نام ہے۔ اسلام میں دینی تعلیم کی اہمیت بلاشبہ سب سے زیادہ ہے، لیکن اسلام عصری علوم سے صرفِ نظر کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ اس کا محرِک ہے۔ مندرجہ ذیل تاریخی حقائق اس کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلام مادّی اور روحانی، دونوں طرح کی زندگی کی ترقی اور کامیابی کا ضامن ہے۔

مغرب کے مستشرقین میں نہایت مشہور اور مقبول تاریخ دان Franz Rosenthall ''علم اور مسلمان'' کے تحت لکھتا ہے کہ جو لوگ یورپ کی جدید ترقی کا بہت شور مچاتے ہیں، ان کو جاننا چاہیے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اُس وقت ممکن ہوئی جب یورپ نے سائنس اور علوم میں تیرھویں صدی سے سولہویں صدی تک مسلمانوں کی ایجادات سے استفادہ کیا۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی تمدن یا تہذیب بھی مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں حصولِ علم، فروغِ علم اور ابلاغ میں مسلمانوں سے بڑھ کر نہیں تھی''۔ پھر اس نے اپنے موقف

کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا کہ مسلمانوں کی زندگی میں فہم وادراک، مذہب، سیاست اور معاشرت، الغرض کوئی بھی شعبہ ایسا نہ تھا کہ ایک عام مسلمان کو روزمرہ زندگی میں بھی علم کے حاصل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے سے انتہائی دلچسپی نہ ہو، یہاں تک کہ علم کو زندگی کی ہر شے سے بڑھ کر فوقیت دینا ہر مسلمان کا شیوہ بن گیا، حتیٰ کہ علم اور اسلام ہم معنی بن گئے''۔ [۱]

الغرض یہ، کہنا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور سیکولرازم لازم وملزوم ہیں، درست نہیں ہے۔ اسلام علم، سائنس اور تحقیق کا منبع ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کی شروعات ہی پہلی وحی کے پہلے لفظ میں اِقْرَاْ (پڑھو) کے حکم سے ہوئی (العلق: 1)۔ قرآنِ کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نمایاں صفات یہ بیان کیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آیاتِ الٰہی کی تلاوت اور تزکیۂ نفس کے ساتھ ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں (آل عمران: 164)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے ملاقات کے لیے طویل سفر کیا اور اس کا مقصد علم الاسرار''، یعنی ظاہری احکام کے پیچھے جو باطنی حکمتیں پوشیدہ ہیں، انہیں جاننا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدمؑ کے جس وصف کو فرشتوں پر فضیلت کا سبب بتایا، وہ علم ہی تھا اور بعض مفسرین نے لکھا ہے: حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اُن چیزوں کا علم عطا فرمایا جو زمین پر بود وباش اور بقائے حیات کے لیے ضروری تھیں، اسی کو ہم دنیاوی یا عصری علم سے تعبیر کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' (ابن ماجہ: 224)۔ نیز فرمایا: حکمت کی ہر بات مومن کی گم شدہ میراث ہے، سو وہ اُسے جہاں پائے (ضرور حاصل کرے) کیونکہ وہی اس کا صحیح حقدار ہے'' (ترمذی: 2687)۔ حِکمت نہایت جامع لفظ ہے اور ہمارے علمی سرمائے میں فلسفے کو بھی حِکمت قرار دیا گیا ہے، حِکمت کے ایک معنی ہیں: کسی چیز کی حقیقت کو جاننا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتے اور زمینی وآسمانی مخلوق حتیٰ کہ اپنی بلوں میں چیونٹیاں اور (پانی میں) مچھلیاں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر رحمت کی دعا کرتی ہیں'' (ترمذی: 2685) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہر صاحبِ علم کے اوپر ایک اور علم والا ہے'' (یوسف: 76) یعنی علم میں ارتقاء کے مدارج کبھی ختم نہیں ہوتے۔

سیکولرازم، لبرل ازم، سائنسی وفنی علوم اور ترقی لازم وملزوم نہیں ہیں، پس یہ سمجھ لینا غلط

---

[۱] *Knowledge Triumphant:* Concept of Knowledge in Medieval Islam, P:2

ہے کہ سیکولرازم کے بغیر سائنسی وفنی ترقی ناممکن ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی الغرض تمام مادّی علوم کی معراج مادّی ترقی اور جسمانی راحتوں وآسائشوں کا حصول ہے، جبکہ دینی علوم کا تعلق مادّی ارتقا کے ساتھ ساتھ روحانی ارتقا سے بھی ہے، اس کا منبع وحی ربانی اور ذاتِ باری تعالیٰ ہے، جبکہ سیکولرازم کے حقیقی معنی لادینیت کے ہیں، لہٰذا اسلام اور سیکولرازم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی میں ارتقا کا کہیں بھی اسلام سے تصادم نہیں ہے، نہ یہ اسلام کے معارض ہیں۔ ہر دور کے کفار یہی کہتے رہے: جو کچھ بھی ہے، یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے اور درحقیقت انہیں اس کا علم نہیں ہے، وہ تو صرف گمانوں میں مبتلا ہیں'' (الجاثیہ:24)۔ (2) بس (جو کچھ بھی ہے) یہی دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں (دوبارہ) نہیں اٹھایا جائے گا'' (المومنون: 37)۔ پس اسلام اور سیکولرازم میں مابہ الامتیاز (Differentiator) عقیدۂ آخرت ہے اور اسلام کے تمام بنیادی عقائد، عبادات، احکام اور اخلاقیات ہیں۔ شیخ سعدی نے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے دولت اور ہنر (ٹیکنالوجی) کا فرق بتایا کہ دولت چھن سکتی ہے، ختم ہوسکتی ہے، اس پر کوئی آفت نازل ہوسکتی ہے، لیکن ہنر بجائے خود دولت ہے، اس لیے ہنرمند جہاں بھی ہوگا، دولت اس کے قدموں میں ہوگی'' (گلستانِ سعدی)۔

لہٰذا سیکولرازم اور سائنسی ترقی کو لازم وملزوم اور سائنسی ترقی کو اسلام کی ضد سمجھنا فریب ہے، البتہ سیکولرازم یقیناً اسلام کی ضد ہے۔ مسلمانوں نے اپنے زمانۂ عروج میں سائنس اور علم کو ایسی بلندیوں تک پہنچا دیا کہ خود مغرب کے تاریخ دانوں کو اس کا اعتراف اور تعریف کرنی پڑی، مثلاً: برطانوی مؤرخ Robert Stephen Briffault نے اپنی کتاب '*The Making of Humanity*'' میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں نے علمِ فلکیات کو اپنے عروج کے دور میں قابلِ قدر بلندیوں پر نہ پہنچایا ہوتا تو اس کے بغیر نہ کوپرنیکس (Copernicus) اور نہ نیوٹن (Newton) ہوسکتے'' (صفحہ:92) امریکی تاریخ دان جان ولیم ڈریپر اپنی کتاب *History of the Conflict betweenReligion & Science* میں لکھتا ہے کہ ادب کے میدان میں مسلمان اس کے ہر حصے اور موضوع میں ایسی دلچسپی لیتے کہ یہ تفریحِ طبع اور دماغی سوچ دونوں کو ان کی عروج تک پہنچا دیتے، سائنس کے

میدان میں ان کی قابلِ فخر ترقی کا یہ حال تھا کہ وہ عملی تجربات کے بغیر صرف قیاسات پر اکتفا نہیں کرتے تھے، وہ قدرت کی ہر شے کو تجربات سے پرکھنے کے بعد ہی قبول کرتے تھے۔ لہٰذا تجربہ اور اس کے نتیجے کا مشاہدہ ہی اُن کے نزدیک قابلِ قبول تھا' اس کے مقابلے میں یونانی فلاسفہ فقط فکری ابحاث پر ہی کفایت کرتے تھے، اسی لیے مشہور برطانوی مؤرخ اور فلسفی برٹرینڈ رسل نے یونانیوں کے متعلق لکھا ہے کہ یونانیوں نے دنیا کو صرف شاعروں کی نظر سے دیکھا نہ کہ سائنسدانوں کی نظر سے۔''[۱]

دنیا کی قدیم ترین اور پہلی یونیورسٹی ایک مخیر مسلم خاتون فاطمہ بنت محمد الفہری نے مراکش میں 245 ہجری میں تعمیر کی تھی، اسکا نام جامعۃ القرُ وِیّین ہے، یونیسکو کے مطابق یہ دنیا کی قدیم ترین واحد یونیورسٹی ہے جو آج تک مصروفِ عمل ہے۔ مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ یورپ میں سب سے پہلی یونیورسٹی مسلمانوں نے بنائی تھی، اس کا نام سالرنو یونیورسٹی'(Salerno University) تھا۔

۲۔ کشش ثقل کو دریافت کرنا رابرٹ نیوٹن سے منسوب کیا جاتا ہے، مگر درحقیقت نیوٹن سے کم از کم پانچ سو سال قبل ایک مسلمان سائنسدان وجغرافیہ دان شریف الادریسی (متوفٰی 494ھ/1111ء) نے واضح الفاظ میں کششِ ثقل کی تعریف ان الفاظ میں کی تھی:
ترجمہ: اجسام میں جو وزن ہے، زمین اُسے اپنی طرف اسی طرح کھینچتی ہے، جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے''۔

(۳)

۳۔ ابن الہیثم کو آج بھی Father of Optics یعنی علم البصر یات کا موجدِ اوّل مانا جاتا ہے اور اس کے تجربات آج بھی قبول کیے جاتے ہیں۔ اس کی کتاب المناظر'' کی یاد میں 2015ء کو عالمی سطح پر روشنی کا سال' قرار دیا گیا۔ یہ المناظر کے چھپنے کی ہزارویں سالگرہ تھی۔

[۱] The Scientific Outlook, Page:2

۴۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی کو Father and Founder of Algebra''یعنی الجبرا کا موجد مانا جاتا ہے۔

۵۔ ابوالقاسم الزہراوی کو آج بھی Father of Surgery''یعنی علمِ جراحی کا موجد مانا جاتا ہے۔اُسکے ایجاد کردہ آلاتِ جراحی آج بھی زیرِ استعمال ہیں۔

٦۔ ابوبکر محمد بن زکریا رازی کو Father of Pediatrics''یعنی امراضِ اطفال کا موجد مانا جاتا ہے اور دنیا کے دو یا تین بہترین طبیبوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔وہ کیمسٹری میں ایک درجن ایسے نئے تجربات کے موجد ہیں جو آج بھی زیرِ استعمال ہیں۔

۷۔ بوعلی سینا کی القانون فی الطب (Canon of Medicine)'' کے نام سے پانچ سو سال تک علم الطب کے نصاب میں شامل رہی۔

۸۔ ابوریحان البیرونی مختلف علوم میں اتنے ماہر تھے کہ انہیں آج بھی تقابلِ ادیان، علم مساحۃ الارض، علم البشریات اور ہند کی تاریخ، ادب، فلسفہ اور ثقافت کے مطالعے (Indology) کا بانی سمجھا جاتا ہے۔واضح رہے:علمِ مساحۃ الارض'' سے مراد خلا سے زمین کی ہیئت، پیمائش، کششِ ثقل اور فضا کی دیگر اشیا کے ساتھ نسبت کا نام ہے۔

۹۔ ابن البیطار کو آج بھی قرونِ وسطیٰ کا ماہرِ نباتات کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ جابر بن حیان کو بین الاقوامی طور پر علمِ کیمیا کا موجدِ اوّل مانا جاتا ہے۔

۱۱۔ ابوالحسن بن ابی الرجال کو آج بھی قرونِ وسطیٰ کا سب سے بڑا ماہرِ علمِ نجوم مانا جاتا ہے۔

۱۲۔ ابن العوام کی کتاب اَلْفَلَاّحَۃ'' کو زراعت و آبپاشی پر آج بھی سب سے بنیادی کتاب مانا جاتا ہے۔

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جدید امریکہ میں بلند مقامات پر آبپاشی کے لیے اس کتاب کے ترجمہ سے استفادہ کیا جاتا ہے۔یہ اسلام کے عروج کا دور تھا۔ان حوالوں سے ایک معقول اور منصف مزاج انسان پر واضح ہوجاتا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی اور سیکولرازم لازم وملزوم نہیں ہیں بلکہ اسلام ہر نوعِ علم کے فروغ کا داعی ہے۔سائنس اور ٹیکنالوجی بھی علوم ہیں اور ان کی مہارت اور قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگی تو یہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے

عزت وافتخار کا باعث بنے گی اور مسلمانوں کے مخالفین کے ہاتھ میں ہوگی تو یہ دشمنانِ اسلام کے غلبے کا باعث بنے گی، یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی اپنی اصل میں نہ خیر ہے اور نہ شر، اس کا مدار اس پر ہے کہ ان علوم کی امامت کس کے ہاتھ میں ہے۔

۴۔ جمہوریت یقیناً اپنی جبلت اور روح کے اعتبار سے سیکولر ہے، یہ امر مسلّم ہے، لٰہذا اسلامی جمہوریت'' کی اصطلاح بھی زیادہ بامعنی نہیں ہے۔ اسلام میں اصل شورائیت ہے، جو عقلِ اکثری کا نام نہیں بلکہ عقلِ صائب (Righteous Wisdom) کا نام ہے۔ ہمارے لیے مشکل یہ ہے کہ جاری نظام اور دستیاب حالات میں ان چیزوں کو اصل اسلامی بنیادوں پر اٹھانے کے مواقع ہمیں میسر نہیں ہیں، جب تک مسلمان اپنے ''نظامِ شورائیت'' کی کوئی ایسی عملی تعبیر پیش نہ کریں جو روئے زمین کے کسی ملک پر نافذ العمل صورت میں نظر آئے اور اس کے ثمرات کا مشاہدہ بھی دنیا اپنی کھلی آنکھوں سے کرے، خالی خولی دعوے دنیا کو اس طرف مائل نہیں کر سکتے کیونکہ موجودہ دنیا علم اور نظام کی درجہ بندی محض نظریاتی بنیادوں پر نہیں کرتی بلکہ عملی مظاہر کو دیکھ کر کرتی ہے۔ عمل کی صورت میں تطبیق چاہتی ہے اور ہم خلا میں جی رہے ہیں، محض ماضی کی حسین یادوں پر گزارا کر رہے ہیں، اس سے انقلاب برپا ہوتے ہیں اور نہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ کئی ایسی تنظیمیں موجود ہیں جو احیائے خلافت کا خواب دیکھ رہی ہیں اور اسی کو امتِ مسلمہ کے تمام دکھوں کا مداوا سمجھتی ہیں۔ ماضی میں ڈاکٹر اسرار احمد بھی ایک عرصے تک احیائے خلافت کی بات کرتے رہے بلکہ ایک مرحلے پر تو انہوں نے بیعت بھی لینا شروع کر دی تھی، لیکن پھر اس مہم سے دستبردار ہو گئے۔ مسئلہ یہ ہے کہ احیائے خلافت کے دعویداروں کے پاس قیامِ خلافت کی کوئی عملی صورت نہیں ہے، بس ایک تخیلاتی نعرہ ہے اور جاری سیکولر لبرل نظام کی خرابیوں اور بربادیوں کو بیان کر کے سمجھتے ہیں کہ ہمارے لیے گنجائش موجود ہے، حالانکہ یہ دور بقائے اصلح'' کا ہے، محشر بدایونی نے کہا تھا:

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا

فارسی کا مقولہ ہے: خانۂ خالی را دیومی گیرد''، یعنی گھر ویران ہو تو آسیب کا بسیرا ہو جاتا ہے۔ ہم آج بھی حضرت فاروقِ اعظمؓ کی دو چادروں کی مثالیں دے کر اپنے دل کو تسلی دیتے

ہیں، یہ نہیں جانتے کہ دورِ حاضر کے حکومتی نظام نے تمام نجی اور اجتماعی امور کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اسلام اپنی جبلت کے اعتبار سے باطل کی آمیزش قبول کرنے کے حق میں نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان کے چچا ابوطالب نے اعتقادی امور میں مفاہمت یعنی کوئی درمیانی راستہ نکالنے کی فرمائش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ اس شرط پر کہ میں اپنے مشن سے باز آجاؤں، سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں لاکر رکھ دیں تب بھی میں اپنے مشن سے ہرگز باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کردے یا اس راہ میں میری جان قربان ہو جائے''[۱] یہی شعار خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اختیار کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ مبارک کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب یہ مشورہ دیا گیا کہ حالات کی نزاکت اور حساسیت کے پیشِ نظر جیشِ اُسامہ'' یعنی اقدامی جہاد کو موقوف کر دیں تو آپؓ نے فرمایا: اگر (مدینے کی گلیوں میں) کتے اور بھیڑیے میری لاش کو نوچیں تب بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو واپس نہیں لوں گا''[۲] خیر قلیل کو باطلِ محض کے مقابلے میں یقینا ترجیح حاصل ہے بشرطیکہ خیرِ کل کی پُرخلوص سعی جاری رکھی جائے، اس کوشش کی نوعیت کیا ہو، یہ مخلص اور صالح مجتہدین پر چھوڑ دی جائے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اسلام اور جدید سائنسی وفنی علوم میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اسلام تحقیق و ایجاد اور انسانی فلاح کے لیے اصولی طور پر جدید علوم کا مخالف نہیں ہے۔ اسلامی عقائد و عبادات کا تعلق مادّیات اور مادّی پیمانوں سے نہیں ہے، یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ تعلیمات ہیں، جن میں بندے کا تعلق اپنے خالق و مالک ربّ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔ کسی سائنسی دلیل نے آج تک عقیدۂ آخرت کو رد نہیں کیا۔ البتہ جدید دنیا میں ایسے فلاسفہ گزرے ہیں اور آج بھی ہیں جو مابعد الطبیعاتی امور (Metaphysics) پر بات کرتے ہیں، ان کے لیے اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے: (ترجمہ) جس چیز کا انجام ممنوع پر ہو، وہ اصلاً ہی ممنوع ہے۔[۳]

---

[۱] ابن ہشام، ج:1، ص:266

[۲] تاریخ الطبری، ج:3، ص:226

[۳] مرقاۃ المفاتیح، ج:4، ص:1269

”اَلضَّرُوْرَۃُ تُبِیۡحُ الْمَحْظُوْرَات“ یعنی ضرورت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے، بھی ایک مسلّمہ ضابطہ ہے لیکن اس اصول کے اطلاق کو بھی ہر اَیرے غیرے پر نہیں چھوڑا جا سکتا، بلکہ یہ مجتہدین اور اہلِ فتویٰ کا کام ہے۔ بڑی برائی کے مقابلے میں چھوٹی برائی کو اختیار کرنا، دین میں عشرتوں اور آسائشوں کی راہ ہموار کرنے کے لیے نہیں بلکہ یُسر اور مشکل صورتحال سے نکلنے کے لیے ہونا چاہیے۔ دوسروں کے علوم یا تحقیقات سے استفادہ کا اصول یہ ہے کہ جو چیز اسلام کی ضد نہ ہو یا جسے اختیار کرنے سے اسلام کے کسی قطعی حکم کی نفی نہ ہوتی ہو، اسے اختیار کرنا مباح ہے۔ ہاں! جو چیز اسلام کی ضد ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔ احادیث کے اخذ وقبول کے میدان میں چھان پھٹک کے لیے مسلمانوں نے عِلْمُ الرِّجَال وعِلْمُ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِیْل“ جیسے علوم وضع کیے، اس کی مثال دیگر اقوام کی نقل وروایت میں نہیں ملتی۔

(۴)

مسئلہ یہ ہے کہ اخلاقی زوال کے باوجود مغرب سائنس وٹیکنالوجی میں برتری اور معاشی قوت کے بل پر اپنی تہذیب کو سب پر مسلّط کرنا چاہتا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں غالب تہذیب نے ایسا ہی کیا ہے اور آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ مغربی تہذیب اور سیکولرازم ولبرل ازم لازم وملزوم ہیں، لیکن سائنس وٹیکنالوجی اور مغربی تہذیب میں تلازم کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے۔ تلازم کے معنی ہیں: دو چیزوں کا ایک دوسرے کے لیے اس طرح لازم وملزوم ہونا کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود کو اور ایک کا عدم دوسرے کے عدم کو مستلزم ہو“۔ یہ میدان سب کے لیے خالی ہے۔ شاد عظیم آبادی نے کہا ہے ؎

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

سو مینائے علمِ امتِ مسلمہ کا منتظر ہے، وہ آئے، آگے بڑھ کر اس کا پرچم ہاتھ میں تھام لے اور سربلند وسرفراز ہوجائے۔ مینا کے ایک معنی ہیں: شراب کی بوتل“، لیکن یہاں جامِ مَے“ مراد نہیں، بلکہ جامِ علم ہے۔ اعظم چشتی نے کہا ہے ؎

طیبہ سے منگائی جاتی ہے، سینے میں چھپائی جاتی ہے
توحید کی مے ساغر سے نہیں آنکھوں سے پلائی جاتی ہے

ہمارا حال یہ ہے کہ اپنی نا اہلی، نالائقی، بے عملی، کسل مندی، کم ہمتی اور پستی کا ادراک کر کے اس پر قابو پانے کی بجائے ہم امریکہ اور اہلِ مغرب کو اس طرح کوستے رہتے ہیں کہ گویا اسلام اور مسلمانوں کو دنیا میں غالب کرنا امریکہ اور اہلِ مغرب کی ذمہ داری ہے، جس کے ادا کرنے میں ناکامی کے سبب وہ قابلِ ملامت و مذمت ہیں۔ اسی طرح اسلام خواتین کی تعلیم کا بھی مخالف نہیں ہے، اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ پاکستان میں دینی مدارس وجامعات کی تنظیمات کے ساتھ ملحق طالبات کے مدارس کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ طالبات کی تعداد میں بھی فیصد کے اعتبار سے طلبہ کے مقابلے میں زیادہ اضافہ ہو رہا ہے۔ دینی طالبات عالمات و فاضلات بننے کے بعد فقہ و افتاء اور دیگر شعبوں میں تخصّصات کی طرف بھی جا رہی ہیں اور یہ ایک اُمید افزا علامت ہے، اسی طرح کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی طالبات کے نتائج کی شرح طلبہ کے مقابلے میں عام طور پر بہتر رہتی ہے۔ امت کو بہت سے مسائل اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے معلوم ہوئے، صحابۂ کرام مسائل معلوم کرنے امہات المؤمنین کے پاس آتے تھے، قرآنِ کریم میں ہے: اور جب تم اُن سے سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو‘‘ (الاحزاب: 53)۔ مثلاً: اگر خواتین میڈیکل کے مختلف شعبوں کی سپیشلسٹ ہوں تو مختلف اَمراض میں مبتلا خواتین کو علاج اور جرّاحی کے لیے اجنبی مردوں کے پاس نہیں جانا پڑے گا، ورنہ ناگزیر حالات میں اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ آج جو تحریف شدہ الہامی کتابیں تورات وانجیل موجود ہیں، اُن کے لیے بھی طے شدہ ضابطہ یہی ہے کہ اُن میں بیان کردہ تعلیمات میں جو چیز قرآن کے مطابق ہے، اُسے قبول کر لیا جائے گا، جو نہ قرآن کے موافق ہے اور نہ مخالف، اُس کے بارے میں توقف کیا جائے گا اور جو چیز قرآن کی ضد ہے، اُسے ردّ کر دیا جائے گا۔ نوجوان علما تحقیق کے میدان میں انٹرنیٹ اور آئی ٹی کے شعبوں سے استفادہ کر رہے ہیں، یقیناً وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوگا، یہ وقت کا تقاضا ہے، جنہیں اپنے عہد کا ادراک کر کے جینا ہے، اُن کے لیے یہ سب کچھ ناگزیر ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے: تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ دلیل سے زندہ رہے‘‘ (الانفال: 42)۔ سو ہر ایک کو اپنا مقام متعین کرنے کے لیے اپنی اہلیت کو ثابت کرنا ہوتا ہے، بشرطیکہ دلائل ثقہ، مستند اور موضوع سے متعلق ہوں، محض کٹ حجتی، بے مقصد اور بے نتیجہ لفّاظی اور مناظرہ بازی پر مشتمل نہ ہوں۔

سطور بالا میں ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام اور سائنسی وفنّی علوم میں کوئی تضاد نہیں ہے، ہر علم وفن اور ہر ایجاد اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ایک ذریعہ ہے، اگر عصری علوم کی امامت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگی تو وہ دنیا کی قیادت کریں گے اور اگر اغیار کے ہاتھ میں ہوگی تو مسلمانوں کے حصے میں علم وفن کی گدائی ہی آئے گی۔ دنیا میں مقامِ افتخار پانے کے لیے اپنی اہلیت ثابت کرنا ہوتی ہے،اسی کو Survival of the fittest یا بقائے اَصلح کا نام دیا گیا ہے۔اَسلاف کی عظمتوں کی مرثیہ خوانی سے عظمتیں نہیں ملا کرتیں۔ علامہ اقبال نے درج ذیل اشعار میں یہی سبق دینے کی کوشش کی ہے۔

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردُوں تھا،تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا

تجھے اس قوم نے پالا ہے، آغوشِ محبّت میں
کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں،تاجِ سرِ دارا

تمدّن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار وہ کردار، تُو ثابت وہ سیّارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثُریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلَّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

مفہومی ترجمہ: اے مسلم نوجوان! کبھی تو نے غور وفکر کیا ہے کہ عظمتوں کا وہ کون سا آسمان تھا، جس سے تو ٹوٹ کر پستی میں گرا ہے، تجھے تو اُس قوم نے اپنی آغوشِ محبت میں پالا تھا، جس نے اپنے عہد کے دارا وسکندر کے تاجوں کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا تھا۔ اسلام نے عرب کے شتر بانوں کو وہ عظمتیں عطا کیں کہ وہ دنیا کے لیے تمدن اور حکمرانی کے دستور بنا کر اور اُن کا عملی نفاذ کر کے چلے گئے۔ ہمارے اسلاف گدائی میں بھی اتنے غیور اور متوکّل تھے کہ کوئی بڑے سے بڑا داد ودہش کرنے والا انہیں لالچ نہیں دے سکتا تھا۔ الغرض عرب کے وہ صحرا نشیں جہاں گیر، جہاں دار، جہاں بان اور جہاں آرا تھے، وہ دنیا میں شاندار فتوحات اور عادل حکمرانی کی ایسی مثالیں قائم کر گئے، جن کے نقوش آج بھی تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں۔ مَیں اُن کی عظمتوں اور کارہائے نمایاں کی اپنے الفاظ میں تصویر کشی تو کر سکتا ہوں، مگر اے عہدِ حاضر کے مسلم نوجوان! تیرے تخیّل وافکار کی دنیا سے وہ نظارا بلند تر ہے، تجھے اُن رفعتوں اور عظمتوں کا ادراک نہیں ہے کہ تم بھی اُن کے حصول کے لیے مصروفِ عمل ہو جاؤ۔ تجھے اپنے آباؤ اجداد سے سرے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے کہ تو گفتار کا غازی ہے، وہ کردار کے پیکر تھے، تو نے جمود کو شعار بنا لیا ہے اور وہ ہر آن ترقی اور عظمت کی شاہراہ پر گامزن تھے، اُن کے مزاج میں جمود کے بجائے تحرّک تھا۔ ہم نے اَسلاف سے جو عظمتوں کی میراث پائی تھی، جب ہم نے اُسے کھو دیا تو آسمان نے ثریا کی بلندیوں سے ہمیں زمین کی پستیوں پر دے مارا۔ حکومت چھن جانے کا غم تو برداشت کیا جا سکتا ہے، کیونکہ دنیا کا تسلیم شدہ دستور ہے کہ جب کوئی قوم اپنی حکمرانی کا استحقاق کھو دیتی ہے، تو اُس سے اقتدار چھن جاتا ہے۔ مگر ہمارے آباؤ اجداد کی مختلف علوم وفنون سے متعلق کتابوں کو جب آج یورپ کے کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے دیکھتا ہوں تو دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے''۔

عربی شاعر فرزدق نے کہا تھا: مفہومی ترجمہ: جریر! جب کہیں کسی شعبۂ حیات میں رجالِ کار کا اجتماع ہوتو میرے باپ دادا تو اس شان والے ہیں، آپ کے پاس اگر کوئی ان کا مثیل ونظیر ہوتو لاؤ پیش کرو‘‘۔ حضرت علیؓ نے کہا تھا: مفہومی ترجمہ: ہم اپنے بارے میں اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں، اُس نے ہمیں علم سے نوازا ہے اور جاہلوں کو مال عطا کیا ہے، مال تو عنقریب ختم ہو جائے گا اور علم ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا ہے، اس پر کبھی زوال نہیں آتا‘‘۔

(۵)

اہلِ نظر نے کہا ہے: مال ایسی دولت ہے جو خرچ کرنے سے گھٹتی رہتی ہے اور علم ایسی لازوال دولت ہے جو خرچ کرنے سے بڑھتی چلی جاتی ہے‘‘۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کُمیل بن زیاد نخعی سے فرمایا: کمیل! علم مال سے بہتر ہے، کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تم مال کی حفاظت کرتے ہو، مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا چلا جاتا ہے [۱]۔ علامہ ابن قیم جوزی لکھتے ہیں:

علم کو مال پر چند وجوہ سے فضیلت حاصل ہے:

۱۔ علم انبیاء کی میراث ہے اور مال بادشاہوں اور سرمایہ داروں کی میراث ہے۔

۲۔ علم صاحبِ علم کی حفاظت کرتا ہے اور صاحبِ مال کو خود مال کی حفاظت کرنا ہوتی ہے۔

۳۔ جب انسان مر جاتا ہے تو مال اس کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور علم قبر میں بھی ساتھ ہوتا ہے۔

۴۔ علم مال پر حاکم ہوتا ہے اور مال علم پر حاکم نہیں ہوتا۔

۵۔ مال مومن و کافر، نیک و بد سب کو مل جاتا ہے، لیکن علمِ نافع صرف مومن کو ملتا ہے۔ [۲]

مال کو عظمت کا پیمانہ نہ بناؤ، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اقتدار اور مال کس کے لیے انعام کے طور پر اور کس کے لیے امتحان کے طور پر ہے۔ فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

---

[۱] تاریخ بغداد، ج:7، ص:408

[۲] مفتاح دار السعادہ، ج:1، ص:129

اگر روزی بہ دانش در فزودی
ز نادان تنگ تر نبودی
بہ نادانان چناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیراں بماند

مفہومی ترجمہ: اگر روزی میں کشادگی کا مدار عقل پر ہوتا تو نادانوں سے زیادہ تنگ روزی کسی کی نہ ہوتی (لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو بہتر جانتا ہے)، وہ احمقوں کو اس طرح روزی پہنچاتا ہے کہ دانا لوگ یہ سب کچھ دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتے ہیں"۔ قرآنِ کریم میں ہے: لیکن جب انسان کو اس کا رب عزت اور نعمت دے کر آزمائے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت دی اور جب اُس کا رب اسے روزی تنگ کر کے آزمائے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا" (الفجر: 15 تا 16)۔ یعنی انسان فطرتاً خود پرست ہے، ہر کامیابی کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے اور ہر ناکامی کا سبب دوسرے کو گردانتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس بابت یہ اصول بیان فرمایا: (اے مخاطَب!) تمہیں جو اچھائی پہنچتی ہے، سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تم کو جو برائی پہنچتی ہے، وہ تمہاری ذات کی طرف سے ہے" (النساء: 79)۔ اپنی کارستانیوں اور ناکامیوں کا ملبہ کسی اور پر ڈالنا اور ہر کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھنا یہ ہر دور میں لوگوں کا وتیرہ رہا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے: (بنی اسرائیل کا یہ شعار ہے کہ) جب انہیں کوئی راحت نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں: یہ ہمارا استحقاق ہے اور جب اُن پر کوئی بدحالی آتی ہے تو اُسے موسیٰ اور اُن کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے ہیں، سنو! اُن کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک ثابت ہے لیکن اُن میں سے اکثر نہیں جانتے" (الاعراف: 131)۔ بنی اسرائیل میں قارون نامی ایک بے انتہا دولتمند شخص تھا۔ قرآنِ کریم نے اُس کی دولت کی بہتات کو ان کلمات میں بیان فرمایا: بیشک قارون موسیٰ کی امت میں سے تھا، پھر اس نے اُن پر سرکشی کی، جبکہ ہم نے اُسے اس قدر خزانے دیے تھے جن کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت بمشکل اٹھا پاتی تھی، جب اُس کی قوم نے اُس سے کہا: اِتراؤ مت، بیشک اللہ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا" (القصص: 76)۔ بجائے اس کے کہ قارون اتنی بڑی دولت عطا کیے جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا، عجز و انکسار کا پیکر بن جاتا، وہ عُجبِ نفس میں مبتلا ہو کر کہنے لگا: یہ مال تو مجھے اُس علم

(وہنر) کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے'' (القصص:78)۔یعنی میں اس کا مستحق ہوں۔ پس مومن ہر کمال وعطا کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ قرار دیتا ہے، اس پر اِتراتا نہیں ہے۔ فارسی شاعر نے کہا ہے: نہد شاخ پر میوہ سر برزمین'' یعنی برگ وبار سے لدی ہوئی شاخ جھک جاتی ہے، جبکہ پھل اور پھول سے محروم خشک شاخیں تنی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اسی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک حدیثِ پاک میں بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لیے ایک درجہ عاجزی اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے ایک درجہ سر بلند وسرفراز فرمائے گا حتیٰ کہ اُسے جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور جو اللہ پر ایک درجہ تکبر کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے ایک درجہ گرا دے گا یہاں تک کہ اُسے پست ترین طبقے میں پہنچا دے گا''[1] خلاصۂ کلام یہ کہ دنیا میں مادّی ترقی اور غلبہ جدید سائنسی اور فنی علوم سے بے بہرہ ہو کر حاصل نہیں کیا جا سکتا، انسانی تاریخ یہی بتاتی ہے۔ ماضی کی تخیّلاتی عظمتوں میں کھو کر ہم مستقبل کی رفعتوں کے خواب تو دیکھ سکتے ہیں، تعبیر نہیں پا سکتے، اس کے لیے جہدِ مسلسل، سعیِ پیہم اور قوتِ ایمانی کے ساتھ ساتھ علم وعمل کا پیکر بننا ضروری ہے۔

جدید چین اور بحیثیتِ قوم ہماری آزادی کے ایام قریب تر ہیں لیکن چین اب جدید علوم وفنون میں امریکہ کے ہم پلّہ بننے کی کوشش کر رہا ہے، وہ معاشی اعتبار سے دنیا کی دوسری بڑی قوت بن چکا ہے، نیز ہمارا حریف ملک بھارت دنیا کی پانچویں بڑی معیشت بننے کی تیاری کر رہا ہے جبکہ ہم اپنے اندر سیاسی اور معاشی استحکام پیدا کرنے میں ناکام ہیں، ہم معاشی اور معاشرتی اعتبار سے شکست وریخت سے دوچار ہیں۔ ہمارے پاس سیاستدان، حکمران اور قائدین تو ہیں، لیکن بصیرت وتدبّر کی حامل قیادت کا فقدان ہے۔ سیاستدان اپنی اناؤں کے اسیر ہیں، اپنی ذات سے بلند ہو کر ملک وقوم اور دین وملّت کے عظیم تر مفاد کی خاطر قربانی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آئے دن جلوس، دھرنے اور شہروں کا محصور ہونا ہمارا معمول بنتا جا رہا ہے، دنیا ہمیں حیرت سے دیکھ رہی ہے، ہمارے دوست ممالک بھی یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ سیاسی اور معاشی اعتبار سے ایک غیر مستحکم ملک میں سرمایہ کاری کیسے کی جائے۔ ہم بعض ممالک کے

---

[1] مسند احمد:11724

بارے میں دعوے کرتے ہیں کہ اُن کی اور ہماری دوستی ہمالیہ سے بلند ہے۔ بصد ادب گزارش ہے: قوموں اور ملکوں کی دوستی معاشقہ نہیں ہوتا، یہ دوطرفہ مفادات پر مبنی تعلق کا نام ہے، ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ کم دے کر زیادہ مفادات سمیٹے۔ کوئی اپنے مفادات اور سرمائے کو خطرات سے دوچار کرنا چاہتا ہے اور نہ ہماری خاطر کسی دوسرے ملک سے بگاڑ مول لینا چاہتا ہے۔ چین، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور دیگر دوست ممالک میں سے ہر ایک اپنے ممکنہ مفادات کا زائچہ بنا کر ہی پیش قدمی کرتا ہے۔ سو ایک قوم وملت کی حیثیت سے ہمیں سوچنا ہو گا۔ آج اگر ہم جدید علوم میں اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل رِجالِ کار پیدا کریں تو دنیا میں اُن کی طلب موجود ہے، آئی ٹی ایک ایسا شعبہ ہے کہ آج گھر بیٹھے ہزاروں ڈالر ماہانہ کمائے جاسکتے ہیں۔

ہمارے وطنِ عزیز میں اس وقت تعلیم ایک منفعت بخش کاروبار ہے۔ پرائیویٹ میڈیکل کالج ایک طالبعلم سے اوسطاً پندرہ سے بیس لاکھ سالانہ فیس لے رہے ہیں، وہ بھی بعض صورتوں میں ڈالروں کی شکل میں لیتے ہیں۔ یہی صورتحال انجینئرنگ، بزنس اور دیگر شعبوں کی اعلیٰ تعلیم کی ہے۔ لہٰذا مالی لحاظ سے کمزور حیثیت والا کتنا ہی ذہین وفطین اور قابل کیوں نہ ہو، وہ وسائل کے فقدان کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم سے محروم رہتا ہے۔ اشرافیہ کے مختلف سکول سسٹم ہیں، ہمارے ہاں متعدد تعلیمی نظام کام کررہے ہیں، اُن میں کوئی مرکزیت ہے نہ نصاب کی یکسانیت۔ گرانقدر فیسیں دے کر جو بچے ان اداروں میں تعلیم پاتے ہیں، وہ اپنے ملک کی تاریخ سے نابلد ہیں۔ تمام ترقی یافتہ ممالک میں سکول گریجویشن کی سطح تک تعلیم مفت اور لازمی ہوتی ہے، نصاب یکساں ہوتا ہے، اپنے ملک کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے، لیکن ہمارے ہاں پاکستانی سوچ، فکر، تہذیب اور اقدار کی حامل نسل تیار نہیں ہو رہی، جسے ہم پاکستان ساختہ کہہ سکیں، بلکہ ایک منتشر الخیال، خودی، خودداری اور خود آگہی سے محروم، اپنی دینی، ملّی اور قومی تفاخر وامتیازات سے عاری نسل تیار ہو رہی ہے جو احساسِ کہتری کا شکار ہے، وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں: ہم پاکستان میں نہیں رہنا چاہتے، مغربی دنیا اور اجنبی ماحول میں ہجرت کرکے رہنا ان کی ترجیح ہوتی ہے۔

علمی مذاکرہ/اسلام اور مغرب

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

اسلام اور عصری علوم (سائنس و ٹیکنالوجی)

مفتی منیب الرحمٰن صاحب کے ساتھ تبادلۂ خیال اور اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت

مفتی صاحب کی رائے یہ ہے کہ اسلام عصری علوم خصوصاً سائنس و ٹیکنالوجی کا علمبردار ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی ہی کسی قوم کی قوت وغلبہ کا سبب ہوتی ہیں۔ ٹیکنالوجی غیر اسلامی نہیں ہوتی لہٰذا مغربی سائنس و ٹیکنالوجی کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔

مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب ہمارے ملک کے ان معزز اور ثقہ علماء کرام میں سے ہیں جو نہ صرف دینی علوم میں گہرا رسوخ رکھتے ہیں بلکہ جدید عصری علوم سے بھی شغف رکھتے ہیں اور مختلف پہلوؤں سے عوام الناس کی رہنمائی فرماتے رہتے ہیں خصوصاً روز نامہ 'دنیا' کے اپنے کالم ''زاویۂ نظر'' کے ذریعے۔ اس وقت ہمارے سامنے روز نامہ دنیا کے ۲۱، ۲۳، ۲۸، ۳۰ نومبر اور ۵ دسمبر ۲۰۲۴ء کے شماروں میں ''اسلام اور عصری علوم'' کے عنوان سے شائع ہونے والے مفتی صاحب کے وہ کالم ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے (تلخیصاً) کہ:

- مغرب کی ترقی کا سبب علوم اور خصوصاً سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی محنت اور مہارت ہے۔
- اسلام بھی علمی ترقی خصوصاً سائنس و ٹیکنالوجی میں پیش رفت کا علمبردار ہے۔
- ان مسلم سکالرز کا مؤقف غلط ہے جو مغربی علوم اور سائنس و ٹیکنالوجی کی مخالفت کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی میں پیش رفت کو قوت وغلبہ کے لیے ضروری نہیں سمجھتے۔
- سیکولرزم اور ٹیکنالوجی لازم و ملزوم نہیں۔

مفتی صاحب ہمارے لیے بہت قابل احترام ہیں اور ان سطور سے مقصود ان کی فکر پر تنقید نہیں بلکہ زیر بحث موضوع کو سمجھنے اور اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ایک طالب علمانہ کوشش ہے اور اسے ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کی ایک علمی نشست سمجھنا چاہیے تا کہ قارئین کے سامنے زیرِ بحث موضوع کے وہ پہلو بھی آسکیں جن پر کالم کی تنگ دامنی کی وجہ سے مفتی صاحب تفصیل

سے روشنی نہیں ڈال سکے اور دیکھا گیا ہے کہ اجمال بسا اوقات مخلِ فہم ہوتا ہے۔

پھر ایک مشکل یہ بھی ہے کہ مغرب کی تفہیم وتنقید کا موضوع نہ ہمارے دینی مدارس میں شاملِ نصاب ہے اور نہ ہمارے کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے، اس لیے عوام وخواص کی ایک بڑی تعداد اس موضوع کے مختلف پہلوؤں میں درک نہیں رکھتی اور اس کی تفہیم کی کوشش بسا اوقات غلط فہمیوں (Misconceptions) کو جنم دیتی ہے۔ اس لیے ہماری اس بحث میں بعض وہ تفصیلات بھی زیرِ بحث آئی ہیں جن سے مفتی صاحب نے کالم کی تنگ دامنی اور موضوع کی محدودیت کی وجہ سے زیادہ اعتناء نہیں کیا۔

ہماری دانست میں اس موضوع کی صحیح تفہیم کے لیے تین باتوں پر غور ہونا چاہیے۔ ایک یہ کہ اسلامی تناظر میں قوموں کے عروج وزوال میں سائنس وٹیکنالوجی کا کیا کردار ہوتا ہے؟ دوسرے یہ کہ اسلام میں دنیا وآخرت میں کامیابی کے لیے اور اظہارِ دین کے لیے کن علوم کی ضرورت ہے اور ان میں سائنس وٹیکنالوجی کی کتنی اہمیت ہے؟ تیسرے یہ کہ مغرب کے عروج وترقی کی وجہ کیا ہے اور ہم مسلمان کیسے ترقی کر سکتے ہیں؟ دیگر مباحث ان تین نکات پر گفتگو کرتے ہوئے ضمناً زیر بحث آجائیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۔ سورۃ البقرہ میں جہاں آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کو دنیاوی علم (علم الاسماء) عطا کرنے کا ذکر ہے، وہیں اس سلسلۂ کلام میں چند آیات بعد جب آدم وحوا کو زمین پر بھیجنے کا ذکر آیا ہے تو وہاں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی تو جس نے اس ہدایت کا اتباع کیا تو اسے دنیا وآخرت میں حزن وغم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا البتہ جو اس کا انکار کریں گے وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿39﴾﴾ [البقرہ۲:۳۸، ۳۹]

''ہم نے کہا اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہیں پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا

ہوں گے اور جو لوگ کفر کا ارتکاب کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

گویا اللہ نے انسان کو دو طرح کے علم عطا فرمائے ہیں ایک علم الاسماء یعنی دنیا کے بارے میں علم اور دوسرے علمِ ہدایت جو یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں زندگی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق کیسے گزارنی ہے۔

۲۔ جو انسان اس ہدایت کو مان لے (یعنی 'اسلام' قبول کر کے 'مسلمان' ہو جائے) اس کے لیے اس علم ہدایت میں سے اتنا بنیادی علم حاصل کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق واجب ہے [۱] (ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے) جتنا اسلامی زندگی گزارنے کے لیے ناگزیر ہو۔ اسے مسلم روایت میں "الدین بالضرورۃ" اور ''فرضِ عین'' کہا جاتا ہے۔ البتہ اس علمِ ہدایت کا ماہرانہ/متخصصانہ علم حاصل کرنا (یعنی دین کا عالم بننا) تاکہ وہ علم ہدایت عام لوگوں تک پہنچا سکے، قرآن حکیم نے اسے ہر مسلم گروہ میں سے کچھ لوگوں پر فرض کیا ہے [۲] اسے مسلم تعلیمی روایت میں ''فرضِ کفایہ'' قرار دیا جاتا ہے۔

۳۔ جہاں تک 'علم الاسماء' یا دنیاوی علم کا تعلق ہے تو ہر انسان (اور مسلمان) اسے انسانی معاشرے سے عقلاً حاصل کر لیتا ہے اور اس کے لیے وحی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم دنیاوی علوم میں سے بعض میں تخصص حاصل کرنا انسانی/مسلمان معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے (جیسے علاج معالجے کے لیے علم طب اور گھر بنانے کے لیے ہندسہ (یا آج کل کی مروج زبان میں سِول انجینئرنگ یا آرکی ٹیکچر)۔ اسے امام غزالیؒ نے مسلم معاشرے کے لیے ''فرضِ کفایہ'' قرار دیا ہے یعنی اس میں اتنے ماہرین کی تیاری لازمی ہے جس سے معاشرے کی ضرورت پوری ہو جائے۔ ویسے ان علوم کو مسلم تعلیمی روایت میں 'علوم' کی بجائے 'فنون' کہا جاتا ہے۔

ماضی میں یہ دنیاوی علوم (یا فنون) جیسے طب، ہندسہ، ہیئت (فلکیات)، کیمیا، ریاضی وغیرہ اور دینی علوم جیسے قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ مسلمانوں کے 'مدارس' میں یکجا پڑھائے

---

[۱] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۲۴

[۲] التوبہ ۹:۱۲۲

جاتے تھے اور ان میں ہمارے زمانے کی طرح 'دینی مدارس' الگ اور دنیاوی تعلیم کے لیے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں الگ نہ ہوتی تھیں۔ اور ظاہر ہے یہ تقسیم مغربی استعمار کی وجہ سے مسلمان معاشروں میں درآئی ہے اور غیر اسلامی ہے اور مسلمان معاشروں کے لیے دینی ودنیوی دونوں لحاظ سے مضر ہے اور اس ثنویت (Dichotomy) کا خاتمہ اور علم کی وحدت ضروری ہے۔

۴۔ مسلمانوں کے تصور علم یعنی علمیات (یا انگریزی میں Epistemology) میں علوم کی چار قسمیں ہیں:

i۔ علومِ نقلیہ (قرآن وسنت) یعنی وحی کے ذریعے دیے گئے علوم جنہیں بدلا نہیں جاسکتا۔

ii۔ علومِ آلیہ: قرآن وحدیث کو سمجھنے کے معاون علوم جیسے عربی زبان، اصول تفسیر، اصول و مصطلح الحدیث وغیرہ۔

iii۔ عمرانی علوم: جیسے معاشیات، سیاسیات، نفسیات، فلسفہ، قانون، علم التعلیم، علمِ تجارت، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ۔ ان علوم کے محتویات کے دو حصے ہیں: ایک قرآن وسنت کی نصوص جو ناقابل تغیر ہیں اور ان علوم کی بنیاد ہیں۔ اور دوسرے وہ حصہ جو انسانی عقل وتجربات پر مشتمل ہے (مسلم روایت میں 'اجتہادی' ہے) اور یہ بدلتا رہتا ہے اور اسے زمان ومکان کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہنا چاہیے۔

iv۔ خالص عقلی علوم جیسے ریاضی، طب، صنعت، زراعت، کیمیا، طبیعیات، ٹیکنالوجی وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اور شفقتاً بالناس انہیں وحی کے دائرے میں نہیں رکھا بلکہ انہیں انسانی عقل وتجربات پر چھوڑ دیا ہے جیسے زراعت میں کھجور کو پیوند لگانے کا معاملہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ یہ "أنتم أعلم بأمر دنیاكم"[۱] یعنی تم یہ زرعی معاملات خود بہتر سمجھتے ہو۔ اس میں وحی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو رہنمائی انسانوں کو بدلنے

---

[۱] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۱۲۸

(اور مسلمان بنانے کے لیے) دی وہ تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس پر مشتمل تھی[۱] (بلکہ پہلے پیغمبروں کو بھی یہی فارمولا عطا فرمایا گیا تھا)[۲] تعلیمِ کتاب سے مراد تو ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکثر علماء نے وحی خفی سمجھ کر وحی کا حصہ سمجھا ہے اور تعلیمِ حکمت سے مراد وہ علوم ہیں جو مبنی بر حکمت (Wisdom) یعنی عقل واجتہاد ہیں۔

علوم میں وحی اور عقل کے کردار کے حوالے سے ہماری طالب علمانہ تفہیم یہ ہے کہ نصوص میں اجتہاد/عقل کا تعلق صرف ان کی تفہیم اور تطبیق میں ہے، متن میں نہیں، کیونکہ نصوص کو تو بدلا نہیں جا سکتا۔ عمرانی علوم کا جزو اوّل مبنی بر نصوص ہے اور جزو ثانی مبنی پر اجتہاد۔ جبکہ خالص عقلی علوم (سائنس وٹیکنالوجی) مبنی بر عقل ہیں۔ اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ جن امور میں حکمِ شرعی کی واضح رہنمائی موجود نہ ہو وہاں قرآن وسنت کی روشنی میں ادلہ شرعیہ کے ذریعے حکمِ شرعی دریافت کرنے کی کوشش کی جائے۔ خالص عقلی علوم میں بھی ضروری ہے کہ ان میں کوئی امر خلافِ نصوصِ قرآن وسنت نہ ہو، وہ مقاصدِ شریعت کے مطابق ہوں اور وہ مسلمانوں کے لیے مضر اور مخربِ دین واخلاق نہ ہوں۔

۶۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ عمرانی علوم میں اجتہاد ہمارے آئمہ واسلاف ماضی میں کرتے رہے ہیں اور یہ کسی نہ کسی صورت میں اس وقت تک جاری رہا جب تک مسلمانوں کو زوال نہ آ گیا اور مغربی قوموں نے انہیں غلام نہ بنا لیا۔ آج کل دو ارب مسلمانوں اور پچاس مسلم اکثریتی ممالک کے علماء کرام عمرانی علوم میں اجتہاد نہیں کر رہے جو انہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح خالص عقلی علوم میں مسلم عہد حکومت میں بارہ سو سال تک مسلمان اہلِ علم سائنس وٹیکنالوجی کے شعبے میں اس طرح کام کرتے رہے کہ ان کا کام نہ خلاف نصوص تھا اور نہ مقاصدِ شریعت کے خلاف۔ لیکن مسلم زوال کے بعد اب اس وقت ہمارے اہلِ علم اور ماہرین سائنس وٹیکنالوجی میں بالعموم کوئی تخلیقی تحقیق نہیں کر رہے جو انہیں کرنی چاہیے۔

۷۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام، سکالرز، اور اہلِ دانش اس پر اصرار کیوں نہیں کرتے کہ دینی علوم کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ علماء کرام عصری مسائل اور ضرورتوں میں بھی

---

[۱] البقرہ ۲:۱۵۱

[۲] الاعلیٰ ۸۷:۱۳ تا ۱۹، النازعات ۷۹:۱۷، ۱۸

عوام کی رہنمائی کر سکیں۔ عمرانی علوم میں اجتہاد کیا جائے اور سائنس وٹیکنالوجی میں مقاصد شریعت کے مطابق تخلیقی تحقیق کی جائے۔ دراصل یہ کام مسلمان حکمرانوں کا ہے کہ وہ یہ کام ریاستی وسائل سے کرائیں لیکن آج کے مسلم حکمرانوں کی بہت بڑی اکثریت مغرب کی فکری اور عملی غلام ہے لہٰذا وہ اتنی فکری استطاعت ہی نہیں رکھتی کہ اس کام کا سوچے۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے علماء اور سکالرز عمرانی علوم کے قابل تغیر جزو میں اجتہاد کیوں نہیں کرتے جبکہ اس کے لیے بہت زیادہ سرمائے کی بھی ضرورت نہیں؟ سائنس وٹیکنالوجی میں تحقیق کے لیے بلاشبہ زرِ کثیر کی ضرورت ہے لیکن یہ کام بھی اگر حکومتیں نہیں کرتیں تو عالم اسلام کے تاجروں اور سرمایہ داروں کو مل کر کرنا چاہیے جیسا کہ امریکہ و یورپ میں یہ کام پرائیویٹ کمپنیاں کر رہی ہیں۔

۸۔ عمرانی اور عقلی علوم میں مغرب نے جو پیش رفت کی ہے، ہم مسلمان اس سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکتے اور نہ ہمیں کرنا چاہیے۔ اس کے متعدد اسباب ہیں جن کی تفصیلات ایک مختصر مضمون میں نہیں دی جا سکتیں تاہم ان کی طرف اشارہ ہم کیے دیتے ہیں۔ [۱]

i۔ مغربی ادارے (مثلاً بینکنگ یا جمہوریت) پیداوار ہوتے ہیں علوم کے (جیسے علمِ معیشت اور علمِ سیاست) اور علوم پیداوار ہوتے ہیں ان عقائد/آئیڈیالوجی کے جس پر کوئی قوم یقین رکھتی ہو لہٰذا مغربی علوم (سوشل سائنسز اور فزیکل سائنسز [سائنس وٹیکنالوجی]) پیداوار ہیں مغرب کی آئیڈیالوجی کے جس کے اہم ترین عناصر درج ذیل ہیں:

۱۔ ہیومنزم (Humanism): اس کا خلاصہ ہے: خدا کا انکار اور انسان کو خدا کی جگہ دینا۔

۲۔ سیکولرازم: انسان کے زندگی گزارنے میں خدا کا کردار کتنا ہونا چاہیے؟ یہ فیصلہ وہ انسان کرے گا جو خدا کا عبد نہیں ہے بلکہ خود خدائی صفات کا حامل ہے۔ اور اس کا فیصلہ یہ ہے کہ کوئی فرد اپنی ذاتی زندگی میں مذہب پر اس طرح عمل کر سکتا ہے جو اس کی اجتماعی زندگی کو متاثر نہ کرے۔ معاشرے اور ریاست کے امور کا فیصلہ انسان کرے گا، خدا اور مذہب نہیں۔

---

[۱] ۱۔ ہم نے یہ مباحث اپنی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ جن اصحاب کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ ہماری تین کتابیں دیکھ لیں: ۱۔ اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش۔ ۲۔ اسلام وردّ فکر مغرب
۳۔ اسلامی اور مغربی اصطلاحات وتصورات کا تقابلی مطالعہ۔ یہ کتابیں مکتبہ البرہان سے بھی مل سکتی ہیں اور آن لائن بھی موجود ہیں: www.alburhaan.pk

۳۔ **لبرل ازم:** جب انسان خود مختار ہے، کسی خدا کا عبد نہیں ہے تو وہ آزاد ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور زندگی جیسے چاہے گزارے۔

۴۔ **کیپٹل ازم:** دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے (آخرت کس نے دیکھی ہے) لہٰذا دولت کی کثرت اور دنیا میں آسائشوں اور سہولتوں کا زیادہ سے زیادہ حصول ہی مقصدِ زندگی ہے۔ سود، حلال وحرام میں عدم امتیاز، دولت پرستی اور دنیا پرستی اس کا لازمی جزو ہے۔

۵۔ **ایمپیریسزم** (Empiricism یا Scienticism) حتمی طور پر صحیح علم وہ ہے جو عقل اور انسانی مشاہدے اور تجربے پر مشتمل ہو، جو قابلِ تصدیق (Verifiable) ہو۔ وحی سے حاصل کردہ مذہبی تعلیمات ''علم'' نہیں ہیں۔

ان تعلیمات سے جو ورلڈ ویو (تصورِ خدا، تصورِ انسان، تصورِ کائنات اور تصورِ علم حاصل ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا کوئی خدا نہیں ہے (جس کا وہ عبد ہو) بلکہ وہ خود 'قادرِ مطلق' ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی جیسے چاہے گزار سکتا ہے۔ دنیا کی زندگی ہی حتمی ہے اور آخرت کا کوئی وجود نہیں۔ انسان کو اپنی زندگی اپنے علم کے مطابق گزارنی ہے نہ کہ وحی کے مطابق۔

ظاہر ہے یہ تعلیمات (آئیڈیالوجی/ ازم) خلافِ اسلام ہیں، اس کے برعکس اور متضاد ہیں اور یہ نظامِ حیات ہیں، زندگی گزارنے کا مکمل منہج ہیں (جنہیں ہم اپنی اصطلاح میں ''دین'' کہتے ہیں) لہٰذا ''مغربی فکر وتہذیب'' کا خلافِ اسلام ہونا، دین مخالف ہونا، غیر اسلامی ہونا، اسلام کے مقابل نظامِ زندگی ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اور ان الحادی نظریات اور کافرانہ ورلڈ ویو کی پیداوار جو علوم اور ادارے ہوں گے ان میں بھی کفر کا زہر بھرا ہوگا، وہ بھی خلافِ اسلام ہوں گے اور وہ مسلمانوں کے لیے ہرگز قابلِ قبول نہ ہوں گے جیسے سیاست میں جمہوریت اور نیشنل ازم (وطن پرستی) اور معاشیات میں سود کی اباحت اور بینکنگ وغیرہ۔

یہ عقیدے کا بنیادی مسئلہ ہے کہ مسلمان جن کا ورلڈ ویو توحید، رسالت، آخرت اور وحی پر مبنی ہے وہ اپنے عقیدے کی رو سے مجبور ہیں کہ مغرب کے کافرانہ نظریات، الحادی ورلڈ ویو اور ان کی پیداوار نظامِ معیشت، نظامِ سیاست، نظامِ تعلیم اور ان کے اداروں جیسے جمہوریت،

بینکنگ وغیرہ کو ردّ کر دیں۔

ii۔ ان الحادی نظریات اور کافرانہ ورلڈ ویو کی حامل مغربی فکر وتہذیب کی علمبردار مغربی اقوام (یورپ وامریکہ) کی اسلام اور مسلم دشمنی اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے زوال پذیر مسلم معاشرے کی ہلتی دیوار کو دھکا دے کر گرایا، عربوں کو ترکوں سے لڑایا، خلافت عثمانیہ کو شکست دی، مسلم ممالک پر قبضہ کر کے ان کو غلام بنالیا۔ ان کو لوٹا، کچلا اور ان کے سیاسی، معاشی، تعلیمی، عدالتی....اداروں کو منہدم کر کے اپنی فکر وتہذیب پر مبنی اجتماعی ڈھانچہ تشکیل دیا اور اپنی استعماری خواہشوں کے دوام کے لیے مسلمانوں کو اپنا فکری غلام بنایا اور ان کے ممالک کو توڑ کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل کر دیا۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں یہ مغربی ممالک کمزور ہوئے تو انہیں مسلمانوں کو آزادی (؟) دینا پڑی۔ انہوں نے اب 'امن' اور 'دوستی' کا چولا پہن لیا اور مسلمان حکمرانوں اور حکمران طبقوں (اشرافیہ) کو اپنا ایجنٹ بنالیا، اور مسلم ممالک کو دبا کر رکھنے کا پورا انتظام کیا لیکن اس کے باوجود کچھ ممالک سر اٹھانے کے قابل ہو گئے تو اس نے دوبارہ ان مسلمان ممالک کو روندنے اور تباہ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ عراق، افغانستان اور لیبیا کو زیر وزبر کر دیا۔ فلسطین، شام اور یمن تباہ کیے جا رہے ہیں اور پاکستان، ایران، سعودی عرب وغیرہ شدید دباؤ میں ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغرب میں یورپ نے برطانیہ کی سربراہی میں مسلمانوں کے زوال میں کردار ادا کیا، خلافت کا خاتمہ اپنے ایجنٹ مصطفیٰ کمال اتاترک اور اس کی پارٹی Young Turks کے ذریعے کرایا۔ مسلمانوں کو غلام بنایا اور انہیں مستقل غلام رکھنے کی کامیاب پلاننگ کی۔ یہی مغرب آج امریکی سربراہی میں مسلمانوں کو زوال سے نکلنے نہیں دے رہا، انہیں متحد نہیں ہونے دے رہا، انہیں معاشی لحاظ سے خود کفیل نہیں ہونے دے رہا، ان کے سیاسی استحکام کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔ اس کے تعلیمی، ثقافتی اور ٹیکنالوجیکل پروگرام مسلمانوں کو دین سے دور کرنے اور ان کے اخلاق بگاڑنے میں مصروف ہیں۔ کیا ہم مسلمانوں میں ذرا بھی حمیت نہیں کہ جس استعمار نے ہمیں غلام بنایا اور ہماری گردن پر گھٹنا رکھ کر ہمیں کھڑا ہونے اور آزاد ہونے نہیں دے رہا ہم اسی کی فکر وتہذیب اور اسی کے اداروں کی

نقالی پر مصر ہیں جبکہ قرآن وسنت ہمارے پاس محفوظ موجود ہیں (الحمدللہ) اور ہم ایک شاندار ماضی رکھتے ہیں لیکن ہم غلامانہ ذہنیت ترک کرنے پر تیار نہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کو تیار نہیں اور مغرب کے سیاسی نظام، ان کے معاشی نظام، ان کے تعلیمی نظام، ان کے عدالتی نظام، ان کی ثقافت اور میڈیا کی پیروی کرنے پر مصر ہیں، فیاللعجب!

iii۔ پھر جب یونانی فکر کا حملہ ہوا، منگولوں کا حملہ ہوا تو مسلم تہذیب اس وقت تک مضبوط اور زندہ تھی چنانچہ ان دونوں حملوں کو اس نے پسپا کر دیا۔ موجودہ مغربی تہذیب کا حملہ فکری بھی ہے اور سیاسی وحربی بھی لہٰذا یہ شدید تر ہے۔ پھر اہم بات یہ ہے کہ اس وقت مسلم تہذیب شکست خوردہ ہے۔ مسلمان بظاہر مغرب سے آزاد ہو چکے ہیں لیکن فکری طور پر ابھی تک مغرب کے غلام ہیں بلکہ عملاً بھی انہی کے غلام ہیں۔ اس لیے آج نہ ہم مغربی فکر کو شکست دے سکے ہیں اور نہ اس تہذیب کے علمبردار مغرب کو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تہذیبیں اپنے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ استفادہ کرتی ہیں۔ لیکن جب کوئی تہذیب شکست خوردہ ہو یا فکری غلام ہو تو وہ محتاط رہ کر بھی استفادہ نہیں کر سکتی کہ خذ ما صفا ودع ما کدر کا رویہ اختیار کرے بلکہ غلام تو فقط سر جھکانا اور یس سر (Yes Sir) کہنا جانتے ہیں لہٰذا اگر ہم مغربی فکر وتہذیب سے محتاط اور محدود استفادہ کرنے کی کوشش کریں گے تو بھی فکری غلامی کی وجہ سے اس کی اندھی نقالی تک چلے جائیں گے۔ اس لیے ہمیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہیے، اپنے نظریات پر عمل کرنا چاہیے اور مغرب کی الحادی فکر وتہذیب اور اس کے نظریات، تصورات اور اداروں کو ردّ کر دینا چاہیے۔ یہ اسلامی نصوص کا تقاضا بھی ہے اور سدّ الذریعہ کا بھی۔

iv۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ خود مغرب کے فلاسفہ، اہل دانش بلکہ بعض سائنس دان بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مغرب کی ٹیکنالوجی بذاتِ خود خلافِ مذہب واخلاق ہے۔ یہ بلا اقدار اور ویلیو نیوٹرل (Value Neutral) نہیں ہے۔ اور یہ بات کوئی عام آدمی نہیں بلکہ مغرب کے ممتاز فلسفیوں، سائنسدانوں اور دانشوروں نے اس موضوع پر سیکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ چند اہم مصنفین اور ان کی کتابوں کے نام دے رہے ہیں:

Philosophers

1. Martin Heidegger - *"The Question Concerning Technology"*
2. Jacques Ellul - *"The Technological Society"*
3. Hans Jonas - *"The Imperative of Responsibility"*
4. Albert Borgmann - *"Technology and the Character of Contemporary Life"*
5. Don Ihde - *"Technics and Praxis"*

Scientists

1. Carl Sagan - *"Pale Blue Dot: A Vision of the Human Future in Space"*
2. Richard Feynman - *"Surely You're Joking, Mr. Feynman!"*
3. Stephen Hawking - *"Brief History of Time"*
4. Karl Popper - *"The Logic of Scientific Discovery"*
5. Nikola Tesla -*"My Inventions: The Autobiography of Nikola Tesla"*

Intellectuals

1. Neil Postman - *"Amusing Ourselves to Death"*
2. Sherry Turkle - *"Alone Together: Why We Expect More from Technology and Less from Each Other"*
3. Douglas Rushkoff - *"Program or Be Programmed: Ten Commands for a Digital Age"*
4. Jaron Lanier - *"You Are not a Gadget"*
5. Evgeny Morozov - *"To Save Everything, Click Here: The Folly of Technological Solutionism"*

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ مغرب کے علوم خصوصاً سائنس وٹیکنالوجی بلا اقدار ہے اوراس کا غلط استعمال غلط اور صحیح استعمال صحیح ہوگا، بلکہ مغربی ٹیکنالوجی خلافِ مذہب واخلاقی اقدار ہے اوراس کا استعمال کسی بھی دین کے پیروکار کو نہیں کرنا چاہیے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی مہیب دولت کی متقاضی ہوتی ہے۔ اہل مغرب نے جب مسلم ممالک پر قبضہ کیا تو ان کے پاس بارہ سو سال کی دولت جمع تھی۔ اہل

مغرب نے اس دولت کو لوٹا اور اپنے ہاں مشین سازی، انڈسٹری اور ایجادات کو وسعت دی۔ اگر مسلمانوں کی بارہ سو برس کی جمع شدہ دولت ان کے ہاتھ نہ لگتی تو شائد مغرب اتنی تیزی سے سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی نہ کرتا۔ گویا مغرب نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی ہمارا خون نچوڑ کر کی ہے۔

۹۔ قومیں ترقی کیسے کرتی ہیں، عروج کیسے پاتی ہیں اور اس میں سائنس وٹیکنالوجی کا کتنا کردار ہوتا ہے؟

حکومت/ ریاست [۱] اور معاشرے کی بنیادی اکائی فرد ہے۔ جیسے افراد ہوں گے ویسا ہی معاشرہ اور حکومت ہوگی۔ فرد کے اعمال وافعال کیسے وجود میں آتے ہیں؟ اس کی وضاحت قدیم وجدید علم النفس بھی کرتا ہے اور محقق صوفیہ بھی۔ کوئی کام کرنے سے پہلے سب سے پہلے دل میں 'حدس' یعنی ایک خیال سا پیدا ہوتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ پھر اس کے بار بار پیدا ہونے سے وہ ایک ٹھوس 'خیال' کی شکل اختیار کرتا ہے۔ جب یہ 'خیال' مضبوط ہو جائے تو اس کام کی 'نیت' وجود میں آتی ہے۔ 'نیت' کے پختہ ہونے پر اس میں مطلوبہ کام کرنے کا 'عزم' پختہ ہوتا ہے پھر اس 'عزم' کے پختہ ہونے پر 'ارادہ' متعلقہ انسانی عضو کو حرکت میں لاتا ہے اور مطلوبہ 'فعل' انسان سے سرزد ہوتا ہے۔ یہ 'فعل' اگر بار بار ہوتا رہے تو وہ 'عادت' بن جاتا ہے اور جس طرح کی عادتیں پختہ ہو جاتی ہیں ویسی ہی انسانی شخصیت وجود میں آتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ فلاں آدمی ''لکھاری'' ہے یا فلاں آدمی ''نمازی'' ہے۔ پھر جب ایک ہی قسم کے خیالات بہت سے افراد کے ہوں تو ان خیالات ونظریات پر عمل کرنے والا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے اور یہی افراد معاشرہ بناتے اور حکومت چلاتے ہیں۔ گویا ساری اجتماعی زندگی کی اکائی فرد ہوتا ہے اور اس کے وہ خیالات ونظریات ہوتے ہیں جو اس کے افعال واعمال کا منبع ہوتے ہیں۔ ان نظریات پر یکسوئی اور پختگی اور ان سے شدید وابستگی انسان کے اعضاء کو حرکت میں لاتی ہے اور افعال کا سبب بنتی ہے۔

وہ خیالات اور نظریات جو اعمال کا سبب بنتے ہیں، صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی۔

[۱] ریاست مغربی اصطلاح ہے جو اسلامی تصور سے بعید ہے لیکن غلط العام ہے۔

مطلب یہ کہ وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق بھی ہو سکتے ہیں اور اس کے خلاف بھی لیکن دونوں صورتوں میں وہ محرکِ افعال و اخلاق بنتے ہیں۔ اگر پہلی صورت ہو تو 'بنیادی انسانی اخلاق' وجود میں آتے ہیں اور اگر ان کا منبع اسلام ہو تو بنیادی انسانی اخلاق کے ساتھ 'اسلامی اخلاق' بھی وجود میں آتے ہیں۔

۔ اگر کوئی قوم/ملت اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے اور اسلامی اخلاق کی حامل ہو تو وہ طبعاً قوت و سطوت حاصل کر لیتی ہے اور دوسری قوموں پر غالب آ جاتی ہے۔

۔ اگر کوئی قوم ایسی ہو جس کے نظریات/عقائد غیر اسلامی ہوں لیکن وہ اپنے نظریات سے شدت سے وابستہ اور ان پر عامل ہو تو اسے 'بنیادی انسانی اخلاق' طبعاً حاصل ہو جائیں گے اور وہ قوت و سطوت کی حامل ہو جائے گی۔

۔ اگر کوئی قوم/ملت ایسی ہو جو اسلام اور اسلامی اخلاق کی مدعی ہو لیکن اس پر عامل نہ ہو تو وہ اس قوم سے شکست کھا جائے گی جو اپنے غیر اسلامی نظریات سے پختہ وابستگی رکھتی ہو اور بنیادی انسانی اخلاق کی حامل ہو۔

اس وضاحت سے ہمیں پتا چل گیا کہ مسلمان آج ذلیل و خوار کیوں ہیں اور مغرب طاقتور اور غالب کیوں ہے؟ مسلمان اس لیے ذلیل و خوار ہیں کہ جس نظریۂ حیات (اسلام) کو ماننے کے وہ مدعی ہیں وہ اس پر عامل نہیں ہیں لٰہذا وہ نہ صرف اسلامی اخلاق سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ وہ ان بنیادی انسانی اخلاق سے بھی تہی دست ہو گئے ہیں جس سے ان کے اندر وہ اہلیت پیدا ہوتی جو دنیاوی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔

۔ اس کے برعکس اہل مغرب اپنے نظریۂ حیات (یعنی مغربی فکر و تہذیب) سے شدید وابستگی رکھتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے اندر بنیادی انسانی اخلاق موجود ہیں اور ان کے اندر وہ اہلیتیں اور صلاحیتیں پیدا ہو گئی ہیں جو دنیا میں ترقی اور کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی انسانی اخلاق اور اسلامی اخلاق کی کچھ وضاحت

کردی جائے۔[۱]

بنیادی انسانی اخلاق

بنیادی انسانی اخلاق یہ ہیں کہ انسان کے اندر ارادے کی طاقت اور فیصلے کی قوت ہو، عزم اور حوصلہ، صبر وثبات اور استقلال ہو، تحمل اور برداشت ہو، ہمت اور شجاعت ہو، مستعدی اور جفاکشی ہو، اپنے مقصد کا عشق اور اس کے لیے ہر چیز قربان کردینے کا بل بوتا ہو، حزم واحتیاط اور معاملہ فہمی وتدبر ہو، حالات کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور مناسب تدبیر کرنے کی قابلیت ہو، اپنے جذبات وخواہشات اور ہیجانات پر قابو ہو، اور دوسرے انسانوں کو موہنے اور ان کے دل میں جگہ پیدا کرنے اور ان سے کام لینے کی صلاحیت ہو۔ ان میں خودداری، فیاضی، رحم، ہمدردی، انصاف، وسعتِ قلب ونظر، سچائی، امانت، راست بازی، پاسِ عہد، معقولیت، اعتدال، شائستگی، طہارت ونظافت اور ذہن ونفس کا انضباط پایا جاتا ہو۔

اگر تمام یا بیشتر افراد کسی اجتماعی نصب العین پر متفق ہوں اور اس نصب العین کو اپنی انفرادی اغراض، بلکہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی عزیز تر رکھیں۔ ان کے اندر آپس میں محبت اور ہمدردی ہو، انہیں مل کر کام کرنا آتا ہو۔ وہ اپنی خودی ونفسانیت کو کم از کم اس حد تک قربان کرسکیں جو منظم سعی کے لیے ناگزیر ہے۔ وہ صحیح وغلط رہنما میں تمیز کرسکتے ہوں اور موزوں آدمیوں ہی کو اپنا رہنما بنائیں۔ ان کے رہنماؤں میں اخلاص، حسنِ تدبیر اور رہنمائی کی دوسری ضروری صفات موجود ہوں، اور خود قوم یا جماعت بھی اپنے رہنماؤں کی اطاعت کرنا جانتی ہو، ان پر اعتماد رکھتی ہو اور اپنے تمام ذہنی، جسمانی اور مادّی ذرائع ان کے تصرف میں دے دینے پر تیار ہو۔ نیز پوری قوم کے اندر ایسی زندہ اور حسّاس رائے عامہ پائی جاتی ہو جو کسی ایسی چیز کو اپنے اندر پنپنے نہ دے جو اجتماعی فلاح کے لیے نقصان دہ ہو۔

---

[۱] یہ مبحث مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریروں، سلسلۂ توحیدیہ کے بانی خواجہ عبدالحکیم انصاری کی کتاب ’تعمیر ملت‘ اور مولانا مودودی کے رسالہ ’’تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں‘‘ (مطبوعہ در ’اسلامی زندگی اور اس کے بنیادی تصورات‘ میں تفصیلاً موجود ہے۔ وہ صاحبانِ ذوق جو اس موضوع کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتے ہوں، ان کتابوں سے رجوع کرسکتے ہیں۔

اسلامی اخلاق

'اسلامی اخلاق' بنیادی انسانی اخلاق کو مرکز ومحور مہیا کرتے ہیں یعنی اپنے دائرۂ فکر وعمل کو اللہ کی حدود تک محدود کر دینا اور حصولِ رضائے الٰہی کو اپنا ہدف بنانا۔ 'اسلامی اخلاق' بنیادی انسانی اخلاقیات کو مستحکم بھی کرتے ہیں اور ان کے اطلاق کو وسیع بھی کرتے ہیں۔ نیز وہ بنیادی انسانی اخلاق کی ابتدائی منزل پر اخلاقِ فاضلہ کی ایک شاندار بالائی منزل تعمیر کرتے ہیں اور ان کی صحیح رُخ میں نموء اور تکمیل کرتے ہیں۔

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ جس قوم میں اپنے نظریۂ حیات سے وابستگی کی بناء پر اس میں بنیادی انسانی اخلاق پیدا ہو جائیں جیسے محنت کی عادت، خودداری، قانون کی پابندی، اطاعتِ امیر، ایثار وقربانی، منصوبہ بندی، دیانت داری، معاملہ فہمی، ہمدردی، پاسِ عہد، ہمت وشجاعت، تنظیم اور نظم وضبط وغیرہ۔ اگر ایسی قوم کے مقابلے میں کوئی دوسری ایسی قوم ہو جس میں یہ صلاحیتیں نہ ہوں تو اوّل الذکر قوم اپنے مخالفین پر غالب آ جائے گی خواہ وہ اس حق کو قبول نہ کرے (جسے ہم مسلمان 'حق' سمجھتے ہیں)۔ اہلِ مغرب میں اس وقت یہ بنیادی انسانی اخلاق موجود ہونے کی وجہ سے مذکورہ صلاحیتیں ان میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں لہٰذا وہ دنیا میں کامیاب اور غالب ہیں۔ اور مسلمان چونکہ اپنے نظریۂ حیات سے مخلصانہ وابستگی نہیں رکھتے اور اس پر عمل نہیں کرتے لہٰذا ان کے اندر وہ صلاحیتیں سرے سے موجود ہی نہیں جو دنیا میں کامیابی کے لیے ضروری ہوتی ہیں اور آخرت میں منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے [۱] حالانکہ اگر وہ اسلامی تعلیمات پر کماحقہ عمل کریں تو ان میں بنیادی انسانی اخلاق کے علاوہ جو دنیا میں کامیابی کی ضمانت ہیں، ان میں اعلیٰ تر اسلامی اخلاق بھی پیدا ہو جائیں گے جو دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی کے ضامن ہیں۔

سوال یہ ہے کہ قوت وغلبہ کی اساس کی اس بحث میں مفتی منیب صاحب کی اس رائے کی کہ سائنس وٹیکنالوجی ہی مغرب کی عزت وقوت کا منبع ہیں اور وہ مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ بھی سائنس وٹیکنالوجی کو اپنائیں اور ترقی کریں، اس کی کیا حیثیت اور اہمیت ہے؟

---

[۱] النساء۴: ۱۴۵

ہمارا موٴقف

ہمارا موٴقف یہ ہے کہ:

- ہمیں صرف دنیا میں ہی ترقی نہیں چاہیے بلکہ ہمیں دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی اور ترقی مطلوب ہے جبکہ مغرب کا ترقی کا ماڈل ان کے کیپٹل ازم اور میٹریل ازم کی رو سے صرف دنیا کی ترقی کا علمبردار ہے لہٰذا مغرب کا ترقی کا ماڈل ہمارے لیے قابل تقلید ہے ہی نہیں۔

- مغرب کا ترقی کا ماڈل ہمارے لیے اس بھی قابل قبول نہیں کہ ان کا ورلڈ ویو خدا، رسول، آخرت اور وحی کے انکار پر مبنی ہے جبکہ ہمارا ورلڈ ویو توحید، رسالت، آخرت اور وحی پر کا کھڑا ہے اور یہ دو متضاد ورلڈ ویو اور پیراڈائم ہیں جو عقل و منطق کی رو سے ایک دوسرے سے استفادہ کر ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی کہے کہ ٹیکنالوجی بلا اقدار ہوتی ہے تو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ خود مغربی دانشور تسلیم کرتے ہیں کہ مغربی علوم خصوصاً ٹیکنالوجی ویلیو نیوٹرل نہیں ہوتی۔

خود ہمارے تجربے نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ مغربی ٹیکنالوجی ویلیو نیوٹرل نہیں ہے کیونکہ پچھلے دس بیس سال میں موبائل، ٹی وی اور انٹرنیٹ نے مسلمانوں خصوصاً ان کی نوجوان نسل کی اسلام سے دوری، گمراہی، اخلاقی بگاڑ اور مسلم اقدار اور خاندانی نظام کے انہدام میں جتنا بڑا کردار ادا کیا ہے اس کا انکار صرف وہ کر سکتا ہے جو بصیرت و بصارت سے محروم ہو۔

گر نہ بیند روزِ روشن شپرہ چشم — چشمہء آفتاب را چہ گُناہ

آپ دنیا کے ۵۰ مسلم اکثریتی ممالک کو دیکھ لیجیے جو سب کے سب مغرب کے علوم اور ٹیکنالوجی کے خوشہ چین ہیں لیکن کسی نے بھی مغربی سائنس وٹیکنالوجی کو اپنا کر دنیا میں ترقی و سطوت حاصل نہیں کی بلکہ ’ترقی یافتہ‘ مغرب کے مقابلے میں وہ پس ماندہ، مفلس اور ’ترقی پذیر‘ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم نظریۂ حیات اور مغربی فکر وتہذیب ایک دوسرے سے متضاد ہیں اور دو متضاد عناصر کا اجتماع عقل و منطق کی رو سے بھی ممکن نہیں ہوتا (جیسے آگ اور پانی کا) لہٰذا ایک مسلمان جب مغرب کی الحادی فکر وتہذیب (یا اس کے علوم اور اداروں) کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے تو فکری انتشار اور کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ فکری انتشار عدم یکسوئی کا سبب بنتا اور اس کی تعمیر شخصیت کو مستحکم اسلامی بنیادوں پر استوار نہیں ہونے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج

کے مسلمانوں کی اکثریت تقویٰ اور اعلیٰ فکری وعملی صلاحیتوں سے محروم ہے اور 'بدکردار' یا کم ازکم 'بےکردار' ضرور ہے۔

۔ دنیا وآخرت میں ترقی اور کامیابی کا اسلامی ماڈل مسلمانوں کی دین واخلاق سے وابستگی پر منحصر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جو جنگی کامیابیاں بدر واحد واحزاب میں مسلمانوں کو ملیں وہ ان کے دینی جذبے کی مرہونِ منت تھیں نہ کہ ٹیکنالوجی میں ان کی برتری کی۔ پھر ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ (نصف اوّل) کے عہد میں دو دہائیوں سے بھی کم عرصے میں مسلمانوں نے اس وقت کی دو سپر پاورز کو اگر سرنگوں کردیا تو اس کا سبب مسلمانوں کا دینی جوش وجذبہ اور ان کی اخلاقی برتری تھی نہ کہ ٹیکنالوجی اور اسلحہ میں کافروں پر برتری۔

دورِ نبوی اور دورِ صحابہ کی ان مثالوں کے بعد کوئی کیسے یہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی برتری اور غلبے کی وجہ ماضی میں سائنس اور ٹیکنالوجی تھی۔ آج بھی اگر افغانستان میں مسلمانوں کو کامیابی ملی ہے تو وہ دینی جذبے سے ملی ہے جس میں مجاہدین بیس سال تک کفر سے برسرِ پیکار رہے۔ اس میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے، زخمی ہوئے اور لاکھوں گھر منہدم ہوئے۔ آج اگر ہر لحاظ سے برتر جنگی ٹیکنالوجی رکھنے والا، ایٹمی صلاحیت رکھنے والا اور سائنس وٹیکنالوجی میں مسلمان ملکوں پر نمایاں برتری رکھنے والا اسرائیل (امریکہ ویورپ کی مکمل پشت پناہی کے باوجود) اگر ایک سال کی جنگ میں چند کلومیٹر پر مبنی غزہ کے مجاہدین کو زیر نہیں کرسکا تو اس کی وجہ فلسطینیوں کی اسلحہ میں برتری نہیں ہے بلکہ ان کا دینی جذبہ ہے، ان کا شوقِ شہادت ہے جس میں ان کے ۴۵ ہزار مرد، عورتیں اور بچے شہید ہوچکے ہیں، ایک لاکھ سے زیادہ زخمی ہیں جن کو علاج معالجے کی سہولت بھی میسر نہیں اور پورا غزہ کھنڈر بن چکا ہے۔ اور دوسری طرف پچاس مسلم اکثریتی ملک ہیں جن میں سے کسی نے ان کی عملاً مدد نہیں کی، اس کے باوجود اسرائیل غزہ کے مجاہدین کو شکست نہیں دے سکا تو اس کی وجہ مجاہدین کی اسلحے میں برتری نہیں بلکہ دینی جذبے میں برتری ہے۔

۔ اس سب کے باوجود ہم یہ نہیں کہتے کہ ترقی وکامیابی میں سائنس وٹیکنالوجی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کی اہمیت ہے اور وہ مسلّمہ ہے اور مسلمانوں کے عہد زرّیں میں مسلمان سائنس وٹیکنالوجی میں بھی دنیا سے آگے تھے اور انہیں آج بھی آگے ہونا چاہیے لیکن ترقی

وکامیابی میں اس کا نمبر پہلا نہیں دوسرا ہے۔ پہلا نمبر مسبّب الاسباب کا ہے اور اسباب کا دوسرا۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے پیغمبر مٹی تم نے نہیں ہم نے پھینکی تھی [۱] اور بیعتِ رضوان میں جب مسلمان جہاد وشہادت کی بیعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر رہے تھے تو اللہ نے فرمایا کہ بیعت لینے والا ہاتھ تمہارا نہیں ہمارا تھا۔ [۲]

- یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ پچھلے بارہ سو سال میں مسلمانوں میں علماء، صلحاء، فقیہ، مفسر، محدث، متکلم کتنے تھے اور سائنسدان کتنے؟ اگر مسلم معاشرے میں اکثریت علماء، صلحاء، فقہاء، مفسرین، محدثین، متکلمین کی تھی اور مکاتب ومعلمین ہر گلی محلے میں موجود تھے اور مدارس اور علماء کی کثرت تھی اور سائنسدان ان کے مقابلے میں نہایت قلیل تھے تو یہ بات خود اس کا ثبوت ہے کہ مسلم معاشرے میں اور مسلم روایت میں زیادہ اہمیت دین اور علماء کرام کی ہے نہ کہ سائنس وٹیکنالوجی کے ماہرین کی۔

- جب مسلمانوں کا ایمان پختہ تھا تو وہ اعمال صالحہ سے مزّین تھے۔ اس دینی جذبے نے ان کے اندر وہ صلاحیتیں طبعاً پیدا کر دیں جو دنیا میں ترقی اور کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔ اس وقت مسلمان زراعت، صنعت، تجارت، علوم، تحقیق، ٹیکنالوجی سب میں دنیا سے آگے تھے اور انہوں نے بارہ سو سال تک معلوم دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ پر حکومت کی اور میرٹ پر کی۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ اُس وقت مسلمانوں کی ایجاد کردہ ٹیکنالوجی اسلامی اصول واقدار اور اسلامی مقاصد سے ہم آہنگ تھی، ان کے خلاف نہ تھی جبکہ آج مغرب کی ٹیکنالوجی اسلامی اقدار ومقاصد کے لیے تباہ کن ہے۔

- یہ بھی ذہن میں رہے کہ دنیاوی علوم وٹیکنالوجی میں بڑی پیش رفت کے باوجود مغربی تہذیب روبہ زوال ہے اور اس کے علمبردار مغربی ممالک بھی۔ یہ بات مغرب کے دانشور خود بھی کہہ رہے ہیں دیکھیے بطور مثال مندرجہ ذیل کتابیں:

1. *"The Decline of the West"* by Oswald Spengler.
2. *"The End of History and the Last Man"* by Francis

---

[۱] الانفال ۸:۱۷
[۲] الفتح ۴۸:۱۰

Fukuyama.
3. *"The Collapse of Complex Societies"* by Joseph A. Tainter.
4. *"The Twilight of the Idols"* by Friedrich Nietzsche.
5. *"The Death of the West: How Dying Populations and Immigrant Invasions Imperil our Country and Civilization"* by Patrick J. Buchanan.
6. *"The Strange Death of Europe: Immigration, Identity, Islam"* by Douglas Murray: Published in 2017.
7. *"Suicide of the West: An Essay on the Meaning and Destiny of Liberalism"* by James Burnham: Written in 1964.

اگر ہم مغربی سائنس وٹیکنالوجی کے نقصانات کا ایک خلاصہ پیش کرنا چاہیں تو اس کے اہم نکات یوں ہوں گے:

سائنس اور ٹیکنالوجی کے نقصانات

۱۔ ماحولیاتی انحطاط: آلودگی، موسمیاتی تبدیلی، اور حیاتیاتی تنوع کا نقصان۔

۲۔ صحت کے خطرات: تابکاری، زہریلے کیمیکلز اور دیگر خطرناک مادوں کی افزائش سے مختلف صحت کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں بشمول کینسر اور اعصابی عوارض۔

۳۔ سماجی تنہائی: ٹیکنالوجی پر زیادہ انحصار سماجی تنہائی، ذاتی روابط میں کمی اور ذہنی صحت کے مسائل جیسے ڈپریشن اور اضطراب۔

۴۔ ملازمتوں میں کمی: آٹومیشن اور مصنوعی ذہانت انسانی کارکنوں کو بے گھر کر رہی ہے جس سے بے روزگاری اور معاشی عدم استحکام میں اضافہ ہو رہا ہے۔

۵۔ سائبر سیکیورٹی کے خطرات: ٹیکنالوجی پر بڑھتے ہوئے انحصار نے سائبر حملوں، ڈیٹا کی خلاف ورزیوں اور شناخت کی چوری کے لیے نئے خطرات پیدا کیے ہیں۔

۶۔ غیر ارادی نتائج: سائنسی اور تکنیکی ترقی کے غیر متوقع نتائج سامنے آ رہے ہیں جیسے ایٹم بم کی تیاری یا پلاسٹک کی آلودگی کی افزونی۔

۷۔ نا قابلِ تجدیدوسائل پر انحصار: بہت سی سائنسی اور تکنیکی ترقی نا قابل تجدیدوسائل پر انحصار کرتی ہے جیسے حجری ایندھن (Fossil Fuel) جو ماحولیاتی انحطاط اور وسائل کی کمی پر منتج ہوتا ہے۔

۸۔ فضلہ ٹھکانے لگانے کے مسائل: تکنیکی آلات کے تیزی سے متروک ہونے کی وجہ سے الیکٹرانک فضلہ میں نمایاں اضافہ ہوا ہے جس سے ماحولیاتی اور صحت کو خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔

۹۔ عدم مساوات اور رسائی: سائنسی اور تکنیکی ترقی کے فوائد ہمیشہ یکساں طور پر تقسیم نہیں ہوتے جس کی وجہ سے عدم مساوات میں اضافہ ہوتا ہے اور پسماندہ معاشروں کے لیے ان فوائد تک رسائی محدود ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ اخلاقی انحطاط: سائنسی اور تکنیکی ترقی اکثر اخلاقی انحطاط کو جنم دیتی ہے جیسے کہ جین ایڈیٹنگ ٹیکنالوجیز کا استعمال یا خودکار ہتھیاروں کے نظام کی ترقی۔

۱۱۔ بلاشبہ جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے فوائد بہت ہیں مگر اس کے نقصانات ان فوائد سے بہت زیادہ ہیں جیسے شراب اور جوئے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان نقصانات کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ آلودگی (Polution) کی زیادتی کی وجہ سے اوزون کی تہہ ٹوٹ رہی ہے، کرۂ ارضی خطرے میں ہے، موسم بدل رہے ہیں۔ ۷۵ فیصد زمین بنجر ہو رہی ہے۔ پینے کو صاف پانی اور سانس لینے کو صاف ہوا میسر نہیں۔ مغربی ٹیکنالوجی کلوننگ، روبوٹکس اور مصنوعی ذہانت کے ذریعے انسانوں کو نگل رہی ہے اور انہیں Dehumanize اور Depersonalize کر کے خاتمۂ انسانیت اور معدومی ذات کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس تباہ کن ٹیکنالوجی کا موازنہ مسلم سائنس سے کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اور ہمارے اہلِ علم اور دانشور بھی اس کے خلاف ہیں۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکُشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا — اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شُعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فِلِزّات

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہُنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظُلمات

رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

یہ عِلم، یہ حِکمت، یہ تدبُّر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

بے کاری و عُریانی و مے خواری و اِفلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیّت کے فتوحات

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

مولانا مودودیؒ نے مغربی فکر وتہذیب اور اس کے علمبرداروں کے بارے میں کہا ہے:

''سائنس مجرد سائنس ہونے کی حیثیت سے اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ تحقیق، اجتہاد اور تلاش وتجسس کی ایک لگن ہے جس کی بدولت انسان کو عالمِ طبیعی کی چھپی ہوئی قوتوں کا حال معلوم ہوتا ہے اور وہ ان سے کام لینے کے ذرائع فراہم کرتا ہے۔ اس علم کی ترقی سے جو نئی طاقتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں، ان کو جب وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرنے لگتا ہے تو یہ تمدن کی ترقی کہلاتی ہے، لیکن یہ دونوں چیزیں بجائے خود انسان کی فلاح کی ضامن نہیں ہیں۔ یہ جس طرح فلاح کی موجب ہوسکتی ہیں اسی طرح تباہی کی موجب بھی ہوسکتی ہیں۔ ہاتھ سے کام کرنے کی بجائے اگر انسان مشین سے کام کرنے لگا، جانوروں پر سفر کرنے کی بجائے اگر ریل اور موٹر اور بحری اور ہوائی جہازوں پر دوڑنے لگا، ڈاک چوکیوں کی بجائے اگر تار برق اور لاسلکی سے خبر رسانی ہونے لگی تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان پہلے سے زیادہ خوش حال ہوگیا۔ ان چیزوں سے جس قدر اس کی خوش حالی بڑھ سکتی ہے اسی قدر اس کی مصیبت اور تباہی بھی بڑھ سکتی ہے، کیونکہ جس دورِ تمدن میں انسان کے پاس صرف تیر وشمشیر کے آلات تھے، اس کے مقابلے میں وہ تمدن بدرجہا زیادہ مہلک ہوسکتا ہے جس میں اس کے پاس مشین گنیں اور زہریلی گیسیں، ہوائی جہاز اور تحت البحر کشتیاں ہوں۔ ترقی علم وتمدن کے موجب فلاح، یا موجب ہلاکت ہونے کا تمام تر انحصار تہذیب پر ہے جس کے زیر اثر علوم وفنون اور تمدن وحضارت کا ارتقا ہوتا ہے۔ ارتقا کا راستہ انسانی مساعی کا مقصد اور حاصل شدہ طاقتوں کا

مصرف متعین کرنے والی چیز دراصل تہذیب ہے۔"[۱]

"وہ خدا کو چھوڑ کر خودی کے پرستار بن گئے، اور خودی نے خدا بن کر ان کو فتنے میں ڈال دیا۔ اب یہ اسی جھوٹے خدا کی بندگی ہے جو فکر و عمل کے ہر میدان میں ان کو ایسے راستوں پر لیے جا رہی ہے جن کی درمیانی منزلیں تو نہایت خوش آئند اور نظر فریب ہیں مگر آخری منزل بجز ہلاکت کے اور کوئی نہیں۔ وہی ہے جس نے سائنس کو انسان کی تباہی کا آلہ بنایا۔ اخلاق کو نفسانیت، ریا، خلاعت اور بے قیدی کے سانچوں میں ڈھال دیا۔ معیشت پر خودغرضی اور برادر کشی کا شیطان مسلط کر دیا۔ معاشرت کی رگ رگ اور ریشے ریشے میں نفس پرستی، تن آسانی اور خودکا ی کا زہر اتار دیا۔ سیاست کو قوم پرستی و وطنیت، رنگ و نسل کے امتیازات اور خداوندِ طاقت کی پرستاری سے آلودہ کر کے انسانیت کے لیے ایک بدترین لعنت بنا دیا۔ غرض یہ کہ وہ تخم خبیث جو مغرب کی نشأۃ ثانیہ کے زمانے میں بویا گیا تھا چند صدیوں کے اندر تمدن و تہذیب کا ایک عظیم الشان شجرِ خبیث بن کر اٹھا ہے جس کے پھل میٹھے مگر زہر آلود ہیں، جس کے پھول خوش نما مگر خاردار ہیں، جس کی شاخیں بہار کا منظر پیش کرتی ہیں مگر ایسی زہریلی ہوا اگلی رہی ہیں جو نظر نہیں آتی اور اندر ہی اندر نوعِ بشری کے خون کو مسموم کیے جا رہی ہے۔"

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کہتے ہیں:

"مذہب کی رہنمائی اور تربیت کے بغیر یورپ کا یہ سارا ذخیرۂ علم و اکتشاف اس کے لیے بیکار بلکہ وبال جان ثابت ہو رہا ہے۔ وہ بہت سی غیر ضروری معلومات اور تفصیلات رکھتا ہے مگر انسانی زندگی کے بنیادی اصولوں سے جاہل اور ان پر عمل کرنے سے غافل ہے۔ اس نے کائنات کی بہت سی دور کی گتھیاں سلجھائی ہیں، مگر اپنی زندگی کی گتھی میں خود ایسا الجھا ہے کہ اس کا نہ سر چھوٹتا ہے نہ پاؤں، عجیب تماشہ ہے؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا، ستاروں کی گزرگاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

[۱] تنقیحات، ص ۲۹، ۶۶، ۶۷، طبع اسلامی پبلی کیشنز، جون ۲۰۲۲ء

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع وضرر کر نہ سکا[۱]''

امریکہ میں مقیم معروف اسلامی سکالرڈاکٹر حسین نصر کہتے ہیں:

''مَیں کئی عشروں سے یہ کہتا چلا آرہا ہوں کہ اسلامی تہذیب، مغربی سائنس وٹیکنالوجی کی، جیسی کہ یہ موجودہ حالت میں ہے، تقلید نہیں کرسکتی اور اگر کرے گی تو خود کو تباہ کرلے گی۔

- اس وقت مغرب میں جو کچھ ہو رہا ہے، مسلم دنیا اُس کی اندھا دھند تقلید نہیں کرسکتی۔ اول اس لیے کہ اگر ہم مغرب کی اندھی تقلید کریں گے تو ہمیشہ مغرب سے پیچھے رہیں گے۔ دوم اس لیے کہ اس طرح ہم جدید ٹکنالوجی کی غلطیوں کی نقل کریں گے، جو بڑی حد تک حرص ولالچ پر مبنی ہے اور جو نسلِ انسانی کی بہت سی ناکامیوں کی ذمہ دار ہے اور یوں جدید ٹکنالوجی کی غلطیاں دہرانے سے مسلم دنیا مزید مصیبتوں میں مبتلا ہوجائے گی۔

- جدید ٹیکنالوجی کا ایک ابلیسی پہلو بھی ہے، جو ابن آدم کے ظاہر و باطن دونوں کی روحانی کیفیت کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس بات میں ذرا شک کی گنجائش نہیں ہے۔

- ہمیں جدید ٹیکنالوجی میں مضمر تمام خطرات سے باخبر ہونا چاہیے اور اس کی ہر بات کو بے چون و چرا قبول نہیں کرلینا چاہیے۔ آپ نے سیل فون کی بہت اچھی مثال دی۔ سیل فون نے واقعی لاکھوں انسانوں کے ماحول کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ سیل فون نے ہماری اُس اندرونی پرسکون دنیا کو بھی تباہ کردیا ہے جس میں ہم خدا کے ساتھ تنہا ہوتے ہیں۔ اس چھوٹے سے آلے نے ہر شخص کو مجبور کردیا ہے کہ وہ ہمہ وقت دنیا کے آفات وآلام سے پُرہنگاموں سے اپنی زندگی کا رشتہ جوڑے رکھے۔ اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں ہے۔ اگر سوچا جائے تو جہاں تک روحِ انسانی پر اس کے اثرات کا تعلق ہے، اس میں بڑی گہری معنویت ہے۔

- حقیقت یہ ہے کہ جدید ٹیکنالوجی اپنے ساتھ ایک خاص تصورِ کائنات، ایک خاص طرزِ زیست، ایک خاص طرزِ عمل اور ایک خاص تصورِ وقت بھی لاتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے ساختہ وقت بچانے والے تمام آلات دراصل وقت کو برباد کرنے والے ہیں۔ ای میل وقت

---

[۱] مغرب سے صاف صاف باتیں، ص ۱۱۲، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۷۹ء

بچاتی ہے لیکن اس کی وصولی اور جواب کی ترسیل آپ کے ذہن وجسم پر دباؤ ڈالتی ہے۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے۔ مَیں سوچ نہیں سکتا کہ اسلامی تہذیب مغربی ٹیکنالوجی کا ایک اچھا حصہ اختیار کرے اور کہے کہ یہ اچھا اور کارآمد ہے اور دوسرا حصہ مسترد کرے اور کہے کہ یہ بُرا اور بے۔کار ہے۔آپ جدید ٹیکنالوجی کا جو بھی حصہ اختیار کریں وہ لازماً اپنے ساتھ منفی اثرات بھی لائے گا۔

۔ کاش ہم مغربی ٹیکنالوجی کو الگ رکھ کر اپنی اسلامی ٹیکنالوجی کو ترقی دے سکتے جیسی ازمنۂ وسطیٰ میں ہوئی تھی۔ اگر فی الوقت ایسا ممکن نہیں ہے تو کم از کم اتنا تو کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا ذہنی رویہ تبدیل کیا جائے اور اُنھیں آگاہ کیا جائے کہ مشینوں کی حکومت سے کیسے کیسے منفی اثرات وارد ہوتے ہیں۔ جدید اداروں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں اور بالخصوص برعظیم پاک وہند کے مسلمانوں میں سائنس پرستی کا رحجان مذہبی عقیدے کی سی پختگی کے ساتھ پایا جاتا ہے جسے دور کرنا بہت مشکل ہے۔

۔ ہم میں اتنی جرأت تو ہونی ہی چاہیے کہ جدید سائنس کی خامیوں کی نشان دہی کر سکیں اور سائنس کی تفہیم کے لیے ایک دوسرا عقلی و روحانی فریم ورک دے سکیں۔ اس کے بعد اگلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی اسلامی سائنس کو ترقی دیں اور رائج کریں۔ یہ وہ بات ہے جو میں چالیس سال سے کہتا آرہا ہوں۔ گویا پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی اسلامی عقلی روایت کی جڑوں سے پیوستہ رہتے ہوئے جدید سائنس پر مکمل دسترس حاصل کریں۔ پھر اگلا قدم اسلامی فریم ورک کے اندر رکھیں جدید سائنس کے فریم ورک کے اندر نہ رکھیں۔ اور دوسرے یہ کہ ہم اپنی سائنسی روایت اور مغربی سائنس دونوں کے امتزاج سے عالم خارجی کی اسلامی سائنس وضع کر سکیں اور تیسرے یہ کہ مغربی سائنس کو ہم اپنی سائنسی روایت میں جذب کر سکیں تو پھر ایسی سائنس کی بنیاد پر ہمارے لیے اپنی ٹیکنالوجی پیدا کرنا ممکن ہو سکے گا۔"[1]

ڈاکٹر ہاشم کمالی (سابق پروفیسر قانون، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملائشیا) نے 'Islamic Perspectives on Science and Technology' کے نام سے

[1] Muzaffar Iqbal, *Islam, Science, Muslims and Technology,* Islamic Book Trust, Canada

ایک کتاب مرتب کی ہے جو اس موضوع پر ایک انٹرنیشنل کانفرنس کے مقالات کا مجموعہ ہے جس میں مغربی ٹیکنالوجی کے منفی کردار کے حوالے سے عالم اسلام کے نام دانشوروں نے تحقیقی مقالے پڑھے جن میں سوڈان کے ماہر اسلامی نفسیات ڈاکٹر مالک بدری، ڈاکٹر عثمان بکر (یونیورسٹی آف ملایا کے پروفیسر علوم اسلامیہ)۔ ایران کے ماہر طبیعیات ڈاکٹر گلشن مہدی جیسے فاضل اصحاب شامل ہیں۔

ہماری کتاب ’’عروجِ امت مسلمہ‘‘ (جس کا حال ہی میں تیسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب بھارت میں ’’عروجِ مسلم وزوال مغرب‘‘ کے نام سے دوسری دفعہ زیرِ طبع ہے۔ اس کا عنوان پہلے ’’مسلم نشأۃ ثانیہ‘‘ تھا)۔ ہم نے اس میں تفصیل سے مغربی فکر وتہذیب کے غیر اسلامی نظریات، اس کی سائنس وٹیکنالوجی کے دین واخلاق پر مضر اثرات اور اس تہذیب کے علمبرداروں کی انسان کشی اور زمین میں فساد پھیلانے پر مبنی پالیسیوں کی وجہ سے پہلے یورپ اور روس ’ورلڈ پاور‘ ہونے کے اعزاز سے تہی دست ہوئے اور اب امریکہ جلد ہونے جارہا ہے بلکہ ہم نے تو پیش گوئی کی ہے کہ ۲۰۵۰ء تک، ان شاء اللہ، امریکہ زوال پذیر ہوکر اور ٹوٹ کر، ایک معمولی اور چھوٹا سا ملک بن جائے گا۔ واللہ اعلم

۔ اس بحث سے یہ واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل اور بنیادی وجہ ان کا ضعفِ ایمان ہے جو سبب ہے ان کے نظامِ تعلیم وتزکیہ میں فساد کا اور جس نے ان کے اندر اعمال صالحہ کی صلاحیت ختم کردی ہے۔ ان کے اندر وہ اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں رہی جو دورِ صحابہ میں تھی، جو ہمارے اسلاف میں تھی اور جس کے بغیر دنیا میں کامیابی ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں صاف فرمایا ہے:

﴿وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ [آل عمران ۳:۱۳۹]

’’(مسلمانو) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو، اگر تم واقعی مومن رہو تو تم ہی سربلند ہوگے۔‘‘

اور یہ کہ ﴿وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِى الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوۡنَ﴾ [الانبیاء ۲۱:۱۰۵]

''اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔''

اسی کی تائید میں اقبال نے کہا ہے ۔

سبب کچھ اور ہے، تُو جس کو خود سمجھتا ہے   زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اور ۔

اپنی مِلّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر   خاص ہے ترکیب میں قومِ رُسولِ ہاشمی

۔ ہم سائنس وٹیکنالوجی کے مخالف نہیں، ہرگز نہیں۔ اور ہم یہ نہیں کہتے اور نہ کبھی کہا ہے کہ سیکولرزم اور ٹیکنالوجی لازم وملزوم ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو سائنس وٹیکنالوجی میں بھی خود کفیل ہونا چاہیے۔ انہیں حسبِ ضرورت ایسی ٹیکنالوجی ایجاد کرنی چاہیے جو مخرب اخلاق نہ ہو بلکہ مقاصد شریعت کو پورا کرنے والی ہو جیسا کہ مسلمانوں کے عہد زریں میں ہوا۔ نیز ہمیں مغربی ٹیکنالوجی کی پیروی نہیں کرنی چاہیے جو مخربِ اخلاق ہے اور جو مغربی تہذیب کے کافرانہ نظام کی پیداوار ہے۔

۔ یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو انبیاء کرام بھیجے انہوں نے لوگوں کے دین وایمان کو کتنی اہمیت دی، اشاعت دین اور اصلاح الناس کو کتنا وقت دیا اور اس پر کتنی محنت کی اور دنیا میں سائنس وٹیکنالوجی کی ترویج کے لیے کتنی محنت کی؟ اس سے پتا چل جائے گا کہ اللہ اور اس کے رسولوں کی ترجیح کیا تھی؟ اور آج کے علماء کرام جو ورثۃ الانبیاء ہیں، وہ اور ان کی دینی سیاسی واصلاحی جماعتیں اور ادارے مسلمانوں کے دین وایمان میں بہتری لانے میں کتنے کامیاب ہیں، وہ لوگوں کو اچھا اور باعمل مسلمان میں کتنے کامیاب ہیں؟ (مسلمانوں کا دینی واخلاقی بحران کس سے چھپا ہوا ہے؟) اور اس میدان میں ان کو کتنی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ایسے میں ہمارے ایک بزرگ، محترم اور نامور عالم دین کا جو ایک بڑے دینی مدرسہ کے مہتمم ہیں بلکہ دینی مدارس کے ایک بڑے وفاق کے سربراہ بھی ہیں، قوم کو سائنس وٹیکنالوجی میں پیش رفت کا درس دینا اور مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کی پیدا کردہ اور ہمارے دین واخلاق کو تباہ کرنے والی ٹیکنالوجی کو اپنانے کی دعوت دینا عجیب لگتا ہے جبکہ ہمارے دینی مدارس نہ دنیاوی علوم سے اعتناء کرتے ہیں اور نہ سائنس وٹیکنالوجی سے۔

۔ یہ لگ بھگ ۱۹۸۸ء کی بات ہے کہ احسن اقبال صاحب (موجودہ مسلم لیگ (ن) کے رہنما) نے ایک بڑی کانفرنس الحمرا ہال لاہور میں رکھی تا کہ اگلی دو دہائیوں کی پلاننگ کی جاسکے۔ تعلیمی کمیٹی میں نواب زادہ شیر علی خان (ریٹائرڈ جنرل، صدر ضیاء الحق کے وزیر خارجہ اور اسلامسٹ)، مجیب الرحمٰن شامی، میاں عبدالرشید (نوائے وقت میں اسلامی کالم لکھنے والے) اور راقم الحروف شامل تھے۔ ہم تعلیمی مسائل پر گفتگو کرتے رہے اور مَیں ان کے نوٹس لیتا رہا۔ نواب زادہ شیر علی خان خاموش رہے۔ شامی صاحب نے کہا: نواب زادہ صاحب! آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ وہ کہنے لگے: دیکھو میاں! مَیں تو ایک فوجی ہوں اور اتنا جانتا ہوں کہ:

It is not the gun which matters, it is the man behind the gun who matters.

کہ بندوق کی اہمیت نہیں اصل اہمیت اس فرد کی ہے جو بندوق چلانے پر مامور ہے اس لیے ساری توجہ اچھے اساتذہ تیار کرنے پر لگاؤ۔ اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو تمہارا نظامِ تعلیم بھی صحیح نتائج دینے لگے گا۔ مطلب یہ کہ اصل اہمیت ٹیکنالوجی کی نہیں اس فرد کی ہے جس نے ٹیکنالوجی کو استعمال کرنا ہے لہٰذا اس فرد کی صحیح تعلیم و تربیت ضروری ہے تا کہ وہ اس ٹیکنالوجی کا صحیح اور تعمیری استعمال کر سکے۔

خلاصہ یہ کہ دنیا (و آخرت) میں ترقی کی بنیادی ضرورت فرد کی تیاری کی ہے، اور اس فرد کی تیاری کی ہے جیسے افراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیار کیے تھے، جو مطلوبِ قرآن تھے، جو زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزارتے تھے، ان کے اندر، دین سے وابستگی کی وجہ سے، قوت کا جوار بھاٹا موجود تھا، روم و فارس میں کوئی انہیں شکست نہ دے سکا، اگرچہ ان کی تلواریں ٹوٹی ہوئی تھیں اور ان کے گھوڑوں کے پیٹ پچکے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بدر میں فتح دی جبکہ ان کی جنگی تیاری کا حال یہ تھا کہ ان کے پاس محض ۸ تلواریں تھیں، صرف ۲ زرہیں تھیں، صرف ۲ گھوڑے اور ۷۰ اُونٹ تھے جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ یعنی ۳۱۳ مجاہدین کے لیے پُرا پُرا اسلحہ موجود ہی نہیں تھا لیکن اللہ نے انہیں فتح دی۔ انہی مجاہدین نے روم و فارس کی سپر پاورز کو سرنگوں کیا، انہی کے پیروکاروں نے عثمانی عہد میں بھی یورپ کا بڑا حصہ فتح کیا۔

حاصل یہ کہ ٹیکنالوجی اور اسلحے کی اہمیت ہے لیکن اس سے زیادہ اہمیت اس فرد کی تعمیر کی ہے جس کا ایمان پختہ ہو، جو اعمال صالحہ پر قادر ہو، جس میں اہلیت وصلاحیت بھی ہو اور صالحیت بھی۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ؎

یہ غازی، یہ تیرے پُر اسرار بندے   جنھیں تُو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا   سِمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

تلخیص مباحث

۱۔ قوموں کی ترقی کا اصولی سبب ان کے نظریۂ حیات سے ان کی وابستگی پر ہوتا ہے جس سے انسانوں کے اندر صلاحیتیں نمو پاتیں ہیں۔ صدرِ اوّل میں مسلمانوں کے عروج کا سبب یہی تھا اور آج زوال کا سبب بھی یہی ہے۔

۲۔ مادہ پرستی، سائنس وٹیکنالوجی کا فروغ ان قوموں، تہذیبوں کا رویہ ہوتا ہے جو صرف دنیا چاہتی ہیں اور آخرت کی ترجیح ان کے پیش نظر نہیں ہوتی۔

۳۔ دینی تہذیبیں، اسلامی تہذیب آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتی ہے لہٰذا مادی زندگی، سائنس وٹیکنالوجی کا فروغ اس کی ترجیح اوّل نہیں ہوتی۔

۴۔ مغرب کی سائنس وٹیکنالوجی بلا اقدار نہیں بلکہ مخربِ دین واخلاق ہے لہٰذا مسلمانوں کو اسے ذوق وشوق سے اپنانے کی بجائے مجبوری، کراہت اور تنقیدی نگاہ کے ساتھ اپنانا چاہیے اور جلد سے جلد متبادل اسلامی سائنس کو ترقی دینا چاہیے جو ان کے نظریۂ حیات سے ہم آہنگ ہو، جیسا کہ ماضی میں ہوا۔

۵۔ مسلمانوں کو ایسی ترقی چاہیے جو دنیا وآخرت دونوں میں انہیں کامیابی دے نہ کہ صرف دنیا میں آرام اور سہولتیں لہٰذا مغرب کی ترقی ہماری ترقی کے لیے موزوں ماڈل ہے ہی نہیں۔

۶۔ مادہ پرستی، سائنس وٹیکنالوجی کو ترجیح اوّل بنانے کا لازمی نتیجہ فساد فی الارض اور انسان اور کائنات کی تباہی ہے جیسا کہ مغربی تہذیب کا نتیجہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ھذا من عندی والعلم عنداللہ

علمی مذاکرہ/اسلام اور مغرب گفتگو: ڈاکٹر سید حسین نصر (امریکہ)
انٹرویو: ڈاکٹر مظفر اقبال (کینیڈا)۔ اُردو ترجمہ: سید قاسم محمود

اسلام، مسلمان اور مغربی ٹیکنالوجی

ڈاکٹر حسین نصر سے گفتگو[1]

[اسلام اور سائنس کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے بہت سے بنیادی مسئلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اُن کو سمجھنے کے لیے ششماہی جریدہ 'اسلام اور سائنس' (کینیڈا) کے مدیر مظفر اقبال صاحب نے ایک تفصیلی مکالمہ پروفیسر سید حسین نصر سے کیا۔ سید صاحب کا شمار اسلام، تاریخ اور فلسفۂ سائنس کے صفِ اول کے سکالرز میں ہوتا ہے۔ آپ جارج واشنگٹن یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر اور فاؤنڈیشن برائے مطالعاتِ روایت کے صدر ہیں۔ سائنس، فلسفے، عرفانِ اسلامی، تقابلِ ادیان، علم الکلام اور روایت وجدیدیت کے موضوعات پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ مظفر اقبال صاحب سے اس مکالمے میں جو فروری اور مارچ ۲۰۰۳ء میں دو طویل اور سنجیدہ نشستوں میں مکمل ہوا، سید صاحب نے اسلامی نظام کے بارے میں اپنے خیالات، تمناؤں اور توقعات کا کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ بنیادی سوال بہت اہم تھا۔ دنیائے اسلام اپنی تہذیب کے خصائص سے دست کش ہوئے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی کے موجودہ عہد کے پیدا کردہ تقاضوں سے کیونکر عہدہ برآ ہوسکتی ہے؟ کیا علم وحکمت کی اسلامی روایت کا احیا ممکن ہے؟ اس احیا کے لیے مغرب میں رہنے والے کیا کر سکتے ہیں؟ ادارہ]

مظفر: دو صدیوں سے زیادہ کی مدت ہوگئی مسلمان ایک ایسی الجھن میں مبتلا ہیں جس کا کوئی سلجھاؤ نظر نہیں آتا۔ سوال یہ ہے کہ مغرب کی پیدا کردہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت جو نئی دنیا رونما ہوئی ہے اُس میں مسلمانانِ عالم اپنی تہذیب کی اسلامی خصوصیات کو تباہ کیے بغیر اُن بے شمار مسائل سے کیوں کر نمٹ سکتے ہیں جن کو حل کرنے کے لیے سائنس وٹیکنالوجی کی فنی مہارت حاصل کرنا ضروری ہے؟ اس سوال کا جواب اُنیسویں صدی کے مصلحین نے یہ تجویز کیا

[1] Muzaffar Iqbal, *Islam, Science, Muslims and Technology,* Islamic Book Trust, Canada

تھا کہ مغرب کے نظامِ اقدار اور تصورِ کائنات کو درآمد کیے بغیر مغربی سائنس وٹیکنالوجی کو درآمد کرلیا جائے ان کی یہ تجویز اس تصور پر مبنی تھی کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا اقدار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس آپ نے ہمیشہ ’’اسلام کی انفرادی حیثیت‘‘ کے تحفظ کو یقینی بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ’’اسلام کی انفرادی حیثیت‘‘ کا مطلب ہے اسلامی تہذیب کا وہ خاص اور منفرد پہلو جو ذاتِ مطلق سے اس کے تعلق میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہی ہے آپ کے اس فارمولے پر قابل عمل نہ ہونے کی وجہ سے سخت تنقید کی گئی ہے۔ اس تنقید کے بارے میں آپ کا ردعمل کیا ہے؟

نصر: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جو سوال آپ نے اُٹھایا ہے وہ بڑا وسیع ہے اور اس کی کئی جہات ہیں۔ ایک اس کا عملی پہلو ہے اور دوسرا نظری۔ جہاں تک عملی پہلو کا تعلق ہے مَیں مانتا ہوں کہ اس میں کسی حد تک صداقت ہے کہ مثلاً بنگلہ دیش میں کسی کو ملیریا ہو جائے تو ہمیں ملیریا کے علاج کے لیے بہترین دوا حاصل کرنی چاہیے خواہ وہ کہیں سے بھی دستیاب ہو۔ رہ گئی مغربی سائنس کی مختلف صورتوں کی بات، خواہ وہ دواؤں کی شکل میں ہو یا الیکٹرونکس یا دیگر مصنوعات کی صورت میں جو سائنس کی نہیں بلکہ اطلاقی سائنس یعنی ٹیکنالوجی کی پیداوار ہیں، جو مغرب سے دنیائے اسلام میں آ رہی ہیں ان کو روکنا حکومتوں کے لیے کسی حد تک ناممکن ہے۔ کوئی حکومت یہ نہیں کہہ سکتی کہ ہم ٹیلیفون یا کوئی اور سائنسی ایجاد استعمال نہیں کریں گے۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ اس سے بھی بڑا اور زیادہ اہم مسئلہ کچھ اور ہے۔ وہ یہ کہ اکثر مسلم حکومتیں صرف اس ایک نکتے پر زور دیتی ہیں کہ زیادہ سائنس کا مطلب ہے زیادہ طاقت۔ لہٰذا مسلمانانِ عالم کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ ٹیکنالوجی میں ترقی کر کے مغربی ٹیکنالوجی اور سائنس کا مقابلہ کریں اور مغرب سے آگے نکل جائیں۔ جس طرح کہ جاپانی کارسازی کی صنعت میں امریکیوں سے آگے نکل گئے ہیں۔ یہ ذہنیت جو دنیائے اسلام میں بہت چل رہی ہے، انتہائی خطرناک ہے۔ خاص طور پر آج کے حالات میں جب کہ دنیائے انسانیت کا ایک حصہ مغرب سائنس کی بنیاد پر ٹیکنالوجی کو ترقی دے کر ناقابل حل مسائل ومشکلات میں مبتلا ہو چکا ہے جیسے ماحولیات کی تباہی کا مسئلہ، انسانی اخلاق واقدار کی بربادی کا مسئلہ اور ایسے ہی دوسرے ہزاروں مسئلے۔ اگر دنیائے اسلام بھی محض اکیسویں صدی میں شامل ہونے کا تکبر حاصل کرنے کے نام پر ماحولیات کی غارت گری اور معاشرتی

انتشار میں شریک ہونا چاہتی ہے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اقدام خودکشی کے مترادف ہوگا۔ پس آپ کے سوال کے عملی پہلو کے حوالے سے اتنا عرض کروں گا کہ اگر دنیائے اسلام جدید سائنس کے اطلاق (ٹیکنالوجی) کے لیے اپنا دروازہ کھولتی ہے اور خالص سائنس کو اختیار کرتی ہے تو ضرور کرے لیکن بڑی احتیاط اور توازن کے ساتھ۔ یہ ضروری نہیں کہ مغرب کی ہر ترقی کو اپنانے کے لیے جست لگائی جائے۔ مغرب میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کی ہر بات کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک آپ کے سوال کے نظری پہلو کا تعلق ہے تو مسلمانوں کو مغربی سائنسی علوم پر مہارت حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے لیکن اس مہارت پر اسلامی عقلی روایت کی روشنی میں کڑی تنقیدی نگاہ بھی رکھنی چاہیے۔

اب آپ اپنے دوسرے نکتے کی طرف آیئے۔ مَیں کئی عشروں سے یہ کہتا چلا آرہا ہوں کہ اسلامی تہذیب، مغربی سائنس وٹیکنالوجی کی، جیسی کہ یہ موجودہ حالت میں ہے، تقلید نہیں کرسکتی اور اگر کرے گی تو خود کو تباہ کرلے گی۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ جدید سائنس کی فلسفیانہ اساس سے بے خبر ہے اور نہیں جانتا کہ دنیا پر اس کے اطلاق کے کیسے کیسے اثرات وارد ہوئے ہیں۔ اگر اسلامی تہذیب کو ایک زندہ تہذیب کی حیثیت سے قائم ودائم رہنا ہے تو انتہائی ضروری ہے کہ نظریاتی سطح پر جدید سائنس کی اساس پر مکرر غور کیا جائے۔ ایک سلسلۂ فکر کا آغاز ہونا چاہیے، جس کے تحت اسلام کے اپنے تصورِ کائنات اور حقیقتِ مطلقہ کی ماہیت کی مابعد الطبیعی معرفت کی روشنی میں جدید سائنس کے مختلف پہلوؤں کی نئی تعبیر اور نئی تدوین کے مطابق فیصلہ ہو کہ کیا قبول کیا جائے اور کیا مسترد کیا جائے۔ اور عملی سطح پر تو جیسا کہ مَیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں آزادانہ تنقیدی کسوٹی کی ضرورت ہے، یہ جانچنے کی کہ کیا ترک کیا جائے اور کیا اختیار کیا جائے؟

گویا جدید سائنس کے تعلق سے دو مختلف جہتوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ہے عملی جہت۔ مثلاً یہ بات کہ ہمارے پاس ہوائی جہاز یا ایسی اور چیزیں ہیں کہ نہیں ہیں؟ طب اور مواصلات اور اس طرح کے دوسرے شعبوں میں بعض ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں جن سے گریز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود فیصلہ کرتے وقت مغرب میں جو کچھ ہو رہا ہے، مسلم دنیا اُس کی اندھا دھند تقلید نہیں کرسکتی۔ اول اس لیے کہ اگر ہم مغرب کی اندھی تقلید کریں گے تو

ہمیشہ مغرب سے پیچھے رہیں گے۔ دوم اس لیے کہ اس طرح ہم جدید ٹیکنالوجی کی غلطیوں کی نقل کریں گے، جو بڑی حد تک حرص و لالچ پر مبنی ہے اور جو نسلِ انسانی کی بہت سی ناکامیوں کی ذمہ دار ہے اور یوں جدید ٹیکنالوجی کی غلطیاں دہرانے سے مسلم دنیا مزید مصیبتوں میں مبتلا ہوجائے گی۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ مغرب کی پیروی کرتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے تا آں کہ مسلم دنیا کو حسبِ ضرورت متبادلات وضع کرنے کے لیے وقت مل جائے۔

نظریاتی سطح پر تو اور بھی زبردست کام کرنا ہوگا اور وہ یہ کہ مغربی سائنس کا مطالعہ زیادہ گہرائی اور بصیرت کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ مغربی سائنس کو اُس کی اپنی اصطلاحوں میں سمجھنے کے بعد اُس کے تصورِ کائنات (ورلڈ ویو) کی روشنی میں سمجھنے پرکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اُن بڑے اختلافات پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، جو تیرہویں صدی میں پیدا ہونے والی جدید سائنس کی فکری اساس اور اسلامی فکر و دانش کے درمیان پائے جاتے ہیں، جس کے بطن سے اسلامی سائنس نے جنم لیا تھا۔

مغربی سائنس و ٹیکنالوجی کو کیسے اختیار کیا جائے؟

مظفر: ٹھیک ہے۔ آپ نے جس حل کی طرف اشارہ کیا ہے، مجھے تو وہ بالکل وہی حل نظر آتا ہے جو دو سو سال سے اُس وقت سے ہمارے ساتھ چلا آرہا ہے جب عثمانیوں، محمد علی پاشا اور دوسرے مسلم حکمرانوں نے اُس وقت سوچا تھا جب مغربی افواج اُن کی دہلیز پر دستک دے رہی تھیں اور انھوں نے کہا تھا، اچھا اگر یوں ہے تو ہم بھی عسکری خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی اپنائیں گے۔ انھوں نے پیش آمدہ مسئلے کا حل یہ نکالا کہ بس اتنی سائنس اور اتنی ٹیکنالوجی اپنانا کافی ہے، جو بدلی ہوئی صورت کا مقابلہ کر سکے۔ محترم! میرا سوال دوسری نوعیت کا ہے۔ آپ جس احتیاط کی بات کر رہے ہیں، کیا اُس کا اختیار کرنا ممکن بھی ہے؟ مثال کے طور یہ دیکھیے کہ جب ہم جدید مواصلاتی آلات درآمد کرتے ہیں مثلاً سیل فون تو وہ پہلے سے موجود ذرائع مواصلات کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ یہ نو بہ نو آلات آتے ہیں تو جزواً جزواً نہیں آتے بلکہ "مکمل پیکیج" کی شکل میں آتے ہیں۔ تو ایسی صورتِ حال میں آپ جس چیز کو "اسلامی مقام" کہتے ہیں، اُس کا تحفظ کیونکر ممکن ہے؟

نصر: آپ نے بجا فرمایا یہ ممکن نہیں ہے۔ مَیں آخری شخص ہوں گا جو جدید ٹیکنالوجی کو غیر جانب دار یا انسانیت کا خیر خواہ خیال کرے۔ مسئلے کو بہ حیثیت مجموعی دیکھنا ہوگا۔ جدید ٹیکنالوجی کا ایک ابلیسی پہلو بھی ہے جو ابنِ آدم کے ظاہر و باطن دونوں کی روحانی کیفیت کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس بات میں ذرا شک کی گنجائش نہیں ہے۔ آج کی گفتگو میں اس بات کو مَیں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ جب مَیں ''احتیاط'' کی بات کرتا ہوں تو اس سے میری مراد یہ ہوتی ہے کہ مسلم دنیا کو جدید ٹیکنالوجی کی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیے! بلکہ جدید ٹیکنالوجی پر ویسی ہی کڑی تنقیدی نگاہ رکھنے کی قابلیت پیدا کرنی چاہیے جیسی انگلستان میں ولیم میور اور جان رسکن اور مغرب کے بہت سے دانشوروں نے بیسویں صدی میں اختیار کی تھی۔ افسوس ہماری مسلم دنیا میں دانشوروں کی بہت کمی ہے۔ ہمیں ان کی سخت ضرورت ہے۔ ہمیں جدید ٹیکنالوجی میں مضمر تمام خطرات سے باخبر ہونا چاہیے اور اس کی ہر بات کو بے چوں و چرا قبول نہیں کر لینا چاہیے۔ آپ نے سیل فون کی بہت اچھی مثال دی۔ سیل فون نے واقعی لاکھوں انسانوں کے ماحول کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ سیل فون نے ہماری اُس اندرونی پُرسکون دنیا کو بھی تباہ کر دیا ہے جس میں ہم خدا کے ساتھ تنہا ہوتے ہیں۔ اس چھوٹے سے آلے نے ہر شخص کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہمہ وقت دنیا کے آفات و آلام سے پُر ہنگاموں سے اپنی زندگی کا رشتہ جوڑے رکھے۔ اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں ہے۔ اگر سوچا جائے تو جہاں تک روحِ انسانی پر اس کے اثرات کا تعلق ہے، اس میں بڑی گہری معنویت ہے۔

آیئے اب مسئلے پر ایک اور جہت سے بات کرتے ہیں۔ فرض کرو ایک فائر سٹیشن یا کسی سرکاری ایجنسی کو اپنے عملے اور متعلقہ حضرات سے فوری رابطے کی ضرورت ہے اور اُن سے کہا جائے کہ وہ اپنے پاس سیل فون نہ رکھا کریں۔ کیونکہ اس سے رُوح کمزور پڑتی ہے تو وہ آپ کی بات سنیں گے بھی نہیں۔ اسی لیے مَیں کہتا ہوں کہ عملی سطح پر کوئی مسلم حکومت اس حل کو قبول نہیں کرے گی۔ ہم مفکر کی حیثیت سے جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک تنقیدی کسوٹی فراہم کر دیں اور نشان دہی کر دیں کہ کہاں کہاں احتیاط کی ضرورت ہے اور ذرا گہرائی میں جا کر جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے اس پورے کارخانے کی تار و پود، اس کے مجموعی مزاج اور ماحول کے بارے میں بھی بتائیں کہ اس کا ایک ایک جز ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہے کہ یہ

نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حصہ تو بہت اچھا اور کارآمد ہے اور باقی حصے برے اور بیکار ہیں۔ یقیناً صورتِ حال اس سے مختلف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید ٹیکنالوجی اپنے ساتھ ایک خاص تصورِ کائنات، ایک خاص طرزِ زیست، ایک خاص طرزِ عمل اور ایک خاص تصورِ وقت بھی لاتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے ساختہ وقت بچانے والے تمام آلات دراصل وقت کو برباد کرنے والے ہیں۔ ای میل وقت بچاتی ہے لیکن اس کی وصولی اور جواب کی ترسیل آپ کے ذہن و جسم پر دباؤ ڈالتی ہے۔ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ مَیں سوچ نہیں سکتا کہ اسلامی تہذیب مغربی ٹیکنالوجی کا ایک اچھا حصہ اختیار کرے اور کہے کہ یہ اچھا اور کارآمد ہے اور دوسرا حصہ مسترد کرے اور کہے کہ یہ بُرا اور بیکار ہے۔ آپ جدید ٹیکنالوجی کا جو بھی حصہ اختیار کریں وہ لازماً اپنے ساتھ منفی اثرات بھی لائے گا۔ بہرحال عملی سطح پر مجھے نہیں معلوم کہ تاریخ کے جاریہ حالات میں ٹیکنالوجی کی کون کون سی صورتیں ترک کی جاسکتی ہیں لیکن اتنا وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم احتیاط اور تنقیدی رویہ اختیار کریں تو حالات بدل سکتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مغربی ٹیکنالوجی کے بعض پہلو مسلم حکومتیں اختیار کر رہی ہیں۔ خواہ آپ کچھ بھی کہیں اور مَیں کچھ بھی کہوں۔ کاش ایسا نہ ہوتا لیکن ہو رہا ہے اور روکا نہیں جاسکتا۔ اگر روکا نہیں جاسکتا تو جدید ٹیکنالوجی پر کم از کم ایک تنقیدی کسوٹی تو بٹھائی جاسکتی ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اس کے منفی اثرات کو گھٹایا جاسکتا ہے۔ کاش ہم مغربی ٹیکنالوجی کو الگ رکھ کر اپنی اسلامی ٹیکنالوجی کو ترقی دے سکتے جیسی ازمنۂ وسطیٰ میں ہوئی تھی۔ اگر فی الوقت ایسا ممکن نہیں ہے تو کم از کم اتنا تو کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا ذہنی رویہ تبدیل کیا جائے اور اُنھیں آگاہ کیا جائے کہ مشینوں کی حکومت سے کیسے کیسے منفی اثرات وارد ہوتے ہیں۔ جدید اداروں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں اور بالخصوص برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں میں سائنس پرستی کا رجحان مذہبی عقیدے کی سی پختگی کے ساتھ پایا جاتا ہے جسے دور کرنا بہت مشکل ہے۔

ہم میں اتنی جرأت تو ہونی ہی چاہیے کہ جدید سائنس کی خامیوں کی نشان دہی کر سکیں اور سائنس کی تفہیم کے لیے ایک دوسرا عقلی و روحانی فریم ورک دے سکیں۔ اس کے بعد اگلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنی اسلامی سائنس کو ترقی دیں اور رائج کریں۔ یہ وہ بات ہے جو مَیں چالیس سال سے کہتا آ رہا ہوں۔ گویا پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی اسلامی عقلی روایت کی جڑوں

سے پیوستہ رہتے ہوئے جدید سائنس پر مکمل دسترس حاصل کریں۔ پھر اگلا قدم اسلامی فریم ورک کے اندر رکھیں جدید سائنس کے فریم ورک کے اندر نہ رکھیں۔ کوئی مسلمان طبیعیات دان یہ ہرگز نہیں کہے گا کہ وہ کوانٹم میکانیات کی دریافتوں کی پروا نہیں کرتا۔ یہ فضول بات ہے۔ ضرورت جس بات کی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے کوانٹم میکانیات کو سمجھا جائے۔ پھر اُس کی تشریح اُس طریق سے کی جائے جس طریق سے کوپن ہیگن سکول نے کی تھی۔ یعنی ڈیکارٹ کے فلسفۂ ثنویت کے اُصول پر جس کی بنیاد پر جدید سائنس کا سارا کارخانہ کھڑا کیا گیا ہے۔ اگر ہم ایسا عقلی سطح پر کر سکیں اور عالمِ خارجی کا مستند اسلامی فلسفہ یا مابعد الطبیعیات تخلیق کر سکیں اور دوسرے یہ کہ ہم اپنی سائنسی روایت اور مغربی سائنس دونوں کے امتزاج سے عالمِ خارجی کی اسلامی سائنس وضع کر سکیں اور تیسرے یہ کہ مغربی سائنس کو ہم اپنی سائنسی روایت میں جذب کر سکیں تو پھر ایسی سائنس کی بنیاد پر ہمارے لیے اپنی ٹیکنالوجی پیدا کرنا ممکن ہو سکے گا۔ لیکن فی زمانہ دنیا کی معاشی، عسکری اور سیاسی طاقتیں اس قدر مضبوط و مستحکم ہیں کہ اگر آپ یہ کہیں کہ ''ہم جدید سائنس وٹیکنالوجی کو مسترد کرتے ہیں'' تو کوئی آپ کی بات نہیں سُنے گا۔ آپ ذرا موجودہ عالمِ اسلام پر نظر دوڑائیے۔ مسلم حکومتیں مغرب نواز ہوں یا بادشاہتیں یا جمہوریتیں ہوں، اسلامی انقلاب کی پیداوار ہوں یا سیکولر ہوں، وہ سب جدید سائنس وٹیکنالوجی کی شان میں قصیدہ خوانی میں متحد و متفق ہیں۔ مسلم حکومتوں کا یہ وہ رویہ ہے جسے تبدیل ہو جانا چاہیے۔

خدا کا شکر ہے کہ گزشتہ تیس چالیس برسوں میں کچھ تبدیلی آئی ہے۔ پہلے کی نسبت کافی بہتری نظر آتی ہے جس میں اس ناچیز کی عاجزانہ کوششوں کا بھی حصہ ہے۔ اب کم از کم اتنا تو ہوا ہے کہ چند آوازیں اُٹھی ہیں جو کہتی ہیں کہ جس راستے پر ہم جا رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ نیز یہ کہ عقلی روایت کو جدید سائنس وٹیکنالوجی پر تنقید کرنے کے قابل ہونا پڑے گا۔ اگر اس دریا پر ایک کمزور پل تعمیر کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو تو ہمیں کم از کم یہ نہیں کہنا چاہیے کہ واہ! جدید سائنس کی کیا بات ہے، یہ کیسی شاندار چیز ہے! ہمیں اپنا یہ رویہ بدلنا پڑے گا۔ اگر جدید طب کو اپنانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو تو ہمیں کم از کم اس کی خامیوں کا احساس ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی روایتی اسلامی طب کی ترقی و ترویج کی کوشش بھی کرنی چاہیے جسے فراموش کر دیا گیا ہے اور اب جبکہ چینی آکوپنکچر مغرب میں آ رہا ہے تو خوشی کی بات ہے کہ اکثر

لوگ طب اسلامی کی تجدید کی باتیں کرتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں ہمیں اپنی ذہنیت کو بدلنا ہوگا اور دراصل سارے قصے میں سب سے اہم کام کی بات یہی ہے۔

مجھے محمد علی پاشا اور ایسے دوسرے حضرات سے سخت اختلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یورپ جاؤ، وہاں بندوقیں بنانا سیکھو، واپس آؤ، بندوق دار فوجیں کھڑی کرو اور باقی ہر چیز بھول جاؤ۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ دراصل تمام چیزیں اکٹھی آتی ہیں۔ بندوق سازی سے لے کر کمپیوٹر اور سیل فون بنانے کی ٹیکنالوجی تک فولاد سازی، جہاز سازی یہ سب صنعتیں آتی ہیں۔ کیونکہ ان سب کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ ٹیکنالوجی اپنا ایک تصورِ کائنات رکھتی ہے اور انسان پر عائد کرتی ہے۔ یہ انسان کو بھی ایک مشین بنا دیتی ہے۔ اسلامی تہذیب کو ہر ممکن طریقے سے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ انسان کو مشین نہ بننے دے اور جب مَیں یہ کہتا ہوں کہ ہماری حکومتوں کے پاس فی الوقت ٹیکنالوجی درآمد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ صورتِ حال ہمیشہ قائم رہے گی اور ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار آئندہ بھی نہ ہوگا۔ میری تجویز یہ ہے کہ فی الحال ہم تاخیری حربے اختیار کر سکتے ہیں۔ یعنی مغربی سائنس وٹیکنالوجی کی اندھا دھند تقلید کرنے کی بجائے ہمیں یہ کرنا چاہیے کہ جہاں تقلید انتہائی ضروری ہو وہاں کی جائے اور جہاں ضروری نہ ہو وہاں نہ کی جائے۔ دریں اثنا اس مہلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہم اپنی سائنس کی تخلیق کے لیے وقت نکالیں اور یوں ان شاء اللہ ایک دن ہماری اپنی ٹیکنالوجی بھی ہوگی۔ آپ دیکھیں گے۔

اسلامی سائنسی روایت کی تجدید کیسے ہو؟

مظفر: مَیں سمجھتا ہوں کہ اسلامی سائنسی روایت کی تجدید کا معاملہ علم کی اسلامی روایت سے جڑا ہوا ہے۔

نصر: یہ درست ہے۔

مظفر: آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ نے ایسے علمی ماحول میں تربیت پائی جو روایتی اسلامی فلسفے اور تصوف کے عظیم اساتذہ نے قائم کی تھی جس کا ذکر آپ نے بڑی صراحت سے اپنے فکری سوانح میں بھی کیا ہے لیکن اب موجودہ صورتِ حال میں ہمارے مسلمان بھائیوں

کے لیے ایک باثروت فکری وروحانی ماحول میں تربیت پانے کے کیا امکانات ہیں؟ مَیں خاص طور پر اُن مسلمانوں کے بارے میں تشویش میں مبتلا رہتا ہوں جو مغرب میں رہتے ہیں۔ ہم مغرب میں رہنے والے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو وہ پہلا سا اسلامی علمی ماحول کیونکر فراہم کر سکتے ہیں؟ آج تک تو ہم مغرب میں اپنے نوجوانوں کے لیے ایک بھی ایسا علمی ادارہ قائم نہیں کر سکے تو پھر ہماری نوجوان نسل اسلامی روایت کیونکر اپنائے اور اُس میں کیونکر جذب ہو؟

نصر: مغرب کو بعد میں لیں گے۔ پہلے مَیں عالمِ اسلام کی بات کرتا ہوں۔ ہمیں مغربی تعلیمی اداروں کی پیروی نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ ہم سرسید احمد خان اور ایسے دوسرے مفکروں کے زمانے سے گزشتہ دوسو سال سے پیرویٔ مغرب کرتے آرہے ہیں۔ بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے روایتی اسلامی تعلیمی ادارے قائم کریں اور انھیں مضبوط و مستحکم بنائیں۔ ہمارے تعلیمی ادارے یعنی مدرسے بدقسمتی سے گزشتہ چند صدیوں میں کئی مسلم ممالک میں بڑے تنگ نظر ہو چکے ہیں۔ مثلاً انھوں نے اپنے نصاب سے ریاضیات اور فلکیات تو چھوڑیئے، فلسفے اور منطق کو بھی خارج کر دیا ہے۔ جب مَیں یہ کہتا ہوں کہ مدرسوں کی تشکیل نو اور تجدید نو کی جائے تو میرا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انھیں کسی بھی لحاظ سے سیاسی یا معاشی یا کسی اور طرح متعصّبانہ علیحدگی پسند بنا دیا جائے بلکہ میرا مطلب مدرسہ سسٹم کے حقیقی اور معتبر احیا سے ہوتا ہے۔ دوسرے، ضرورت اس بات کی ہے کہ عالمِ اسلام میں حصولِ علم کا اپنا روایتی طریق اختیار و مستحکم کیا جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ حصولِ علم کو سیرت سازی، اخلاقی اقدار اور رُوحانی اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ منسلک و مربوط کیا جائے۔ کردار سازی کو حصولِ علم کا ضروری حصہ بنانا چاہیے۔ یہ ایسی چیز ہے جو پوری دنیائے اسلام میں ملائشیا سے لے کر مراکش تک کے مدرسوں میں رائج ہونی چاہیے۔ بعض مسلم ملکوں مثلاً ایران میں اچھی اُمیدیں پیدا ہوئی ہیں۔ حال ہی میں وہاں چند نئے معیاری مدرسے قائم ہوئے ہیں جیسے قم میں۔ طلبہ کی کثیر تعداد ہونے کے باعث تعلیمی معیار بہت اونچا تو نہیں ہے لیکن چند ایسے ادارے بھی ہیں، جہاں معیار پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ ایسے سلجھے ہوئے، اعلیٰ تعلیم یافتہ، شائستہ دانشور اُبھر رہے ہیں جو صرف قانون وفقہ پر عبور نہیں رکھتے بلکہ اسلام کی فکری وروحانی اقدار کے بھی حامل ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم اسلام میں اپنے مکمل تعلیمی نظام کے تجربے کو مضبوط بنایا جائے۔ یہ نظام مرا نہیں ہے،

اس کے احیا و تجدید کی ضرورت ہے۔

اسلامی تہذیب مدرسہ سسٹم کے مثبت اوصاف و اقدار کو نئی جامعات میں منتقل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی جو اُنیسویں صدی کے بعد قائم ہوئی ہیں۔ خواہ وہ پنجاب یونیورسٹی ہو یا کلکتہ یا الٰہ آباد یا استنبول یا تہران یا قاہرہ یونیورسٹی۔ ان جامعات میں مغرب کے یونیورسٹی سسٹم کی محض تقلید کی گئی ہے۔ مدرسہ سسٹم میں جو نصاب پڑھایا جاتا تھا وہ ترک کر دیا گیا ہے۔ استاد اور شاگرد میں تحریم و تکریم کا جو گہرا رشتہ تھا وہ ٹوٹ گیا ہے۔ تعلیمی اداروں میں جو ایک روحانی فضا برقرار رہتی تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ایک بھی مسلم ملک ایسا نہیں ہے جہاں اسلامی مدرسے کی روایت کو اُن جدید تعلیمی اداروں کے ساتھ مربوط کیا گیا ہو جو انجینئرنگ، ریاضیات، طبیعیات یا طب وغیرہ کی تعلیم و تدریس کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔ مسلم دنیا کے لیے آج سب سے بڑا چیلنج یہی ہے کہ دو تعلیمی نظاموں میں خلیج حائل ہو گئی ہے اُسے بتدریج دور کیا جائے۔

عالمی اسلامی تعلیمی کانگریس (منعقدہ ۱۹۷۷ء) نے جو مَیں نے سید علی اشرف مرحوم، ڈاکٹر زبیر اور عبداللہ عمر نصیف کے ساتھ مل کر منعقد کی تھی اور جس کی ایما پر متعدد اسلامی یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں جن میں تعلیمی نظاموں کے خلیج پاٹنے کی کوشش کی تھی لیکن بدقسمتی سے یہ تحریک مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکی کیونکہ اس راہ میں مسالک اور فرقوں کے کئی خرخشے حائل ہو گئے اور یوں اسلام کی فکری و عقلی روایت سے پورا فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ مثلاً ان نئی جامعات میں اسلامی فلسفے پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی گئی اور جب اسلامی فلسفے ہی کو سنجیدگی سے نہیں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے علومِ عقلی کو بھی سنجیدگی سے نہیں لیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ آپ شریعت الگ پڑھائیں گے اور جدید سائنس اور جدید عمرانیات اور جدید معاشیات الگ پڑھائیں گے اور اس کا نام رکھ دیں گے اسلامی یونیورسٹی۔ صاحب، یہ ہرگز اسلامی یونیورسٹی نہیں ہے۔ ایسی یونیورسٹی کو اسلامی ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اسلامی یونیورسٹی وہ ہوتی ہے، جس میں تمام مضامین اسلام کے تناظر میں پڑھائے جاتے ہوں۔ اس کی بہترین مثال مغرب میں ازمنۂ وسطیٰ کے تعلیمی ادارے ہیں۔ اُس وقت مغربی

یونیورسٹیاں اسلام کے مدرسہ سسٹم کی بنیاد پر قائم کی گئی تھیں۔لیکن یاد رہے وہ یونیورسٹیاں کرسچین تھیں۔ انھوں نے اسلامی نصاب اُٹھایا۔ بہت سی اسلامی تعلیمی روایات و رسوم اور تدریسی طریقے اختیار کیے، اُن کو عیسائی بنا کر اپنی یونیورسٹی میں رائج کردیا۔ انھوں نے اسلامی تعلیمی روایات وطریق کو اپنے دینی وفکری تصورات کے ساتھ مربوط کرلیا اور یوں انھوں نے یونیورسٹیاں قائم کیں جو مکمل طور پر مسیحی تھیں اور جو مکمل طور پر اُن اسلامی اداروں سے بالکل مختلف تھیں جن سے انھوں نے یہ سب کچھ مستعار لیا تھا۔ بدقسمتی سے ہم اُن کے رویے کا عکس اپنے آئینے میں نہ دیکھ سکے۔ ہمیں بھی ویسا ہی کرنا چاہیے تھا، جیسا انھوں نے کیا تھا۔ پس آج دنیائے اسلام میں جو ساری صورتِ حال ہے، وہ کسی بھی لحاظ سے معیاری اور مثالی نہیں ہے۔

اب آیئے مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کی طرف۔ضرورت جس چیز کی ہے، وہ یہ ہے کہ مغربی تعلیمی اداروں کا ماحول ہم اپنے تصورات وافکار، اپنے مآخذ اور اپنی روایات کے ذریعے اور نیز انسانی روابط وتعلقات کے ذریعے اپنے تعلیمی اداروں میں منتقل کریں۔ جہاں تک کتابوں کا تعلق ہے، گزشتہ چالیس برسوں کے دوران اس ضمن میں خاصا کام ہوا ہے۔ ہم نے اسلامی عقلی روایت سے ماخوذ کافی کتابوں کے تراجم رائج الوقت زبانوں میں کرا لیے ہیں اور مغربی افکار کی تشریح اسلامی نقطۂ نظر سے کی ہے۔ میں نے بھی اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق اس کارِ خیر میں حصہ لیا ہے اور دوسرے معاصرین نے بھی اس ضمن میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ہم نے مغربی ماحول میں قابلِ مطالعہ اور قابلِ تفہیم مروجہ مغربی زبانوں میں اسلامی فلسفے، سائنسی علوم، دینیات اور تصورِ کائنات پر بے شمار کتابوں کے تراجم کیے ہیں یا نئی تصانیف لکھی ہیں۔ یہ نصابی کتابیں نایاب نہیں ہیں، جس طرح کہ چالیس سال پہلے تھیں لیکن ہمارے پاس جو چیز نہیں ہے وہ ہے ایک مرکز۔ ایسی جگہ جہاں طلبہ کی تربیت اسلامی طریقے سے کی جائے۔ امریکا میں اب متعدد اسلامی یونیورسٹیاں قائم ہو چکی ہیں لیکن اسلامی تعلیم وتربیت کے نقطۂ نظر سے ابھی اُن میں کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہیں ہوئی۔

آج کل نیویارک سٹیٹ میں ایک اور نئی اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اُسے جارج ٹاؤن کے نمونے پر بنایا جائے گا جو کیتھولک یونیورسٹی ہے یا جوشوا یونیورسٹی کے طرز پر جو یہودیوں کے اعلیٰ تعلیمی ادارے ہیں یا البرٹ آئن سٹائن

یونیورسٹی کی طرز پر یا ایسی ہی کسی اور بلند پایہ یونیورسٹی کی طرز پر۔ ایسی بڑی اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے میں کامیابی ہوگی یا نہیں؟ یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ مَیں اپنی طرف سے اُن کے ساتھ پورا تعاون کر رہا ہوں لیکن میرا اپنا نقطۂ نظر کچھ اور ہے۔ یہ کہ بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کرنے سے پہلے ہمیں کوئی چھوٹا سا علمی مرکز بنانا چاہیے، جہاں یہی کوئی بیس پچیس طلبہ چند ایسے اساتذہ کی رہنمائی میں تعلیم و تربیت حاصل کریں، جو اپنی اسلامی علمی روایت کی حامل ہوں۔ دیکھیے! میری عملی زندگی کا خاتمہ قریب ہے...... شاید عمر بھی تمام ہونے والی ہے...... لیکن مَیں نے طلبہ کی کئی نسلوں کو تربیت دے دی ہے اور گذشتہ چند برسوں میں پندرہ بیس نوجوان دانشور پیدا کر دیئے ہیں، جو اگلی نسل کو تربیت دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اُس نے مجھے توفیق اور ہمت دی کہ اپنی روایت نوجوانوں کے سینے میں منتقل کر سکوں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ایک چھوٹے علمی مرکز کی ضرورت ہے جہاں ہم خیال نوجوان طلبہ اکٹھے ہوں اور ہر سال چند نوجوان دانشور تربیت پا کر، دوسروں کو تربیت دینے کے لیے تیار ہوں۔ اپنی بات کو میں ایک سادہ سی مثال سے واضح کروں گا۔ اگر آپ کے پاس تھوڑا سا گندم ہو تو آپ اس کے آٹے سے چند روٹیاں پکا لیں گے اور آٹا ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ دانۂ گندم بیج کے طور پر کھیت میں بو دیں تو اگلے موسم بہار میں گندم کی ایک پوری فصل پیدا ہو جائے گی جس سے آپ ہزار ہا لوگوں کو خوراک مہیا کر سکیں۔

اس مثال پر عمل کرتے ہوئے، مغرب میں اسلامی تعلیم کا اہتمام بھی پہلے چھوٹے یونٹ سے کیا جائے۔ پھر رفتہ رفتہ بڑے یونٹ کی جانب بڑھا جائے۔ اگر آپ اعلیٰ معیار کا ایک چھوٹا یونٹ قائم کریں جہاں زیادہ سے زیادہ بیس تیس طلبہ کی تربیت کی گنجائش ہو اور وہ طلبہ اعلیٰ ذہانت کے مالک ہوں اور آپ انھیں اسلامی عقل و فکر کی زندگی کی میراث منتقل کریں، جس میں تمام سائنسی علوم، فلسفہ، منطق، ریاضی، روحانی علوم اور سب کچھ شامل ہوں تو یہ تربیت یافتہ نوجوان اپنی باری پر دوسروں کو تربیت دیں گے اور اس طریقے سے بیس برس کے بعد کئی سو نوجوانوں کی ایک کھیپ تیار ہو جائے گی جو کسی بڑی یونیورسٹی کے علمی نظام کی بنیاد ثابت ہوں گے۔ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ منزل کی طرف قدم بہ قدم بڑھا جائے۔ چنانچہ مَیں احباب سے کہتا رہتا ہوں کہ ہمیں اپنی تمام اجتماعی کوششوں سے ایک چھوٹا سا مرکز قائم کر لینا چاہیے جس کا نام

مثلاً ''مرکز برائے اسلامی سائنس'' ہو یا کچھ اور جو مناسب خیال کیا جائے۔ بہتر ہوگا کہ اس کے نصاب میں فلسفہ، منطق، دینیات اور دیگر متعلقہ مضامین شامل ہوں۔ ضروری نہیں ڈگریاں بھی دی جائیں۔ اسے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والوں کا ادارہ بنایا جاسکتا ہے، جیسا کہ پرنسٹن کا اعلیٰ مطالعات کا سنٹر ہے۔ اسے دین دار مخلص مسلمانوں کا مرکز بنایا جاسکتا ہے جو ایم اے یا پی ایچ ڈی کی ڈگریاں رکھتے اور اسلامی علوم سے گہری دلچسپی رکھتے ہوں۔ وہ یہاں آئیں، بیٹھیں، کام کریں باہم کام کی باتیں کریں، تعلیم پائیں، تعلیم دیں، سلسلۂ ابلاغ جاری ہو۔ جو لوگ اسلام کی تبلیغ کی خدمت بجالانے کا جذبہ رکھتے ہوں، وہ بھی مرکز میں آکر بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ دو تین ذہین وفطین ایرانی فلسفی اور مفکر حال ہی میں امریکا آئے ہیں، جن کی انگریزی تو زیادہ اچھی نہیں ہے لیکن اُن کے پاس علم بہت ہے۔ انھوں نے اسلامی سائنسی علوم کے گہرے مطالعے میں پندرہ تا بیس برس گزارے ہیں۔ انھیں مشاہرے پر ملازمت دی جاسکتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی لوگ ہوں گے جو شامل ہونا چاہیں گے۔ اور یوں رفتہ رفتہ کارواں بنتا جائے گا اور منزل قریب آتی جائے گی۔

مظفر: آپ کی اس تجویز کو عملاً کیا مزید آگے بڑھایا جاسکتا ہے؟ مجھے یاد ہے آپ ایک دفعہ حکیم محمد سعید شہیدؒ کے تعاون سے کراچی میں ایسا علمی مرکز قائم کرنے کی کوشش کررہے تھے لیکن آپ کی کوشش اُس وقت کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا مسلم حکومتیں اس قسم کی علمی مہم سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں۔ غالباً انھیں تو اس نوعیت کی احیائی تحریک کی ضرورت کا احساس تک نہیں۔

نصر: آپ کی بات بالکل درست ہے

مظفر: یہی وجہ ہے کہ میں اپنی بات کا آغاز مغرب سے کرنا چاہتا تھا لیکن آپ نے رُخ دنیائے اسلام کی طرف موڑ دیا ہے تو یہ بڑی متضاد سی بات بن گئی ہے لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ مغرب میں کامیابی کا زیادہ امکان ہے۔ اسی لیے میں گفتگو مغرب کے دائرے میں رکھنا چاہتا تھا۔

نصر: بڑی حد تک مجھے آپ سے اتفاق ہے لیکن دنیائے اسلام میں کچھ استثنائی صورتیں بھی ہیں۔

مظفر: جی ہاں! مسلم دنیا میں متمول نجی شعبہ پر تکیہ کیا جاسکتا ہے۔ بڑی اُمید تھی کہ نجی شعبہ کی مدد سے اسلامی علمی روایت کی احیا کے سلسلے میں نئے نئے ادارے قائم ہوں گے لیکن یہ اُمید بھی پوری نہ ہوسکی۔ قومی وسائل جتنے بھی ہیں، وہ سب حکومتوں کی تحویل میں ہیں، جو احیاو تجدید کے مقصد پر قومی وسائل صرف کرنے سے کوئی غرض نہیں رکھتے۔ ایسے حالات میں احیائی تحریک کیونکر اور کہاں سے شروع کی جائے؟

نصر: یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ چند کوششیں ہوئی ہیں اور وہ کامیاب بھی ہورہی ہیں مثلاً ایران، ملائیشیا، مسلم انڈیا اور پاکستان میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔ خاص طور پر ایران میں جہاں چند ایسی جامعات قائم ہوئی ہیں، جن کا نظم ونسق حکومت کے پاس نہیں علما کے ہاتھ میں ہے۔ یہ جامعات حقیقی معنی میں ''مدرسے'' ہیں جہاں غیر ملکی زبانوں، جدید سائنسی علوم اور مغربی اداروں میں پڑھائے جانے والے دوسرے مضامین کی بھی تدریس ہوتی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ایسی کوششوں کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے ان شاء اللہ۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی آپ کی یہ بات درست ہے کہ مسلم حکومتیں اسلام کی علمی روایت کی تجدید سے کوئی غرض نہیں رکھتیں۔ مَیں پھر یہی کہوں گا کہ اگر مسلم دنیا میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اسلامی تعلیمی مراکز قائم ہوں تو عوام اور حکومتیں جلد یا بدیر اُن میں دلچسپی لینے لگیں گی۔ اس لیے کہ ان اداروں سے بہترین خلّاق لوگ تربیت لے کر سامنے آئیں گے۔

آپ جانتے ہیں، مَیں برس ہا برس ایران میں یہ جنگ لڑتا رہا ہوں۔ مَیں نے وہاں اکیڈمی آف فلاسفی یا انجمن شاہی قائم کی تھی جس کا بہت بڑا بجٹ تھا، جو کسی قسم کے سرکاری لال فیتے کے مراحل سے گزرنے کی بجائے ہمیں ملکہ سے براہ راست ملتا تھا۔ چند سال کے اندر اندر اس اکیڈمی نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ پوری دنیا میں اس کی دھوم مچ گئی۔ اکثر ایرانی اور خود حکومت کو بھی ابتدا میں اس کی کامیابی پر شک تھا لیکن جب یہ کامیاب ہوگئی تو سب حیران رہ گئے اور اب تعاون کے لیے آمادہ ہوگئے۔ کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اول درجے کے معیاری مقالات اکادمی کے اپنے مجلّے Sophia Perenis (جاوداں خرد) میں نیز بین الاقوامی مقالات تحقیقی جرائد میں چھپتے تھے اور دنیا کے ممتاز اور سربرآوردہ فلسفی ایران آتے اور اپنی آنکھوں سے اکادمی کی کارکردگی کا مشاہدہ کرنے کی آرزو کرتے تھے۔ کہنا مَیں یہ

چاہتا ہوں کہ حکومتوں کا ذہن تو نہیں بدلا جا سکتا لیکن نتائج دکھا کر انھیں متوجہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بھی کرنے کا کام ہے۔ بلاشبہ حکومتیں یونیورسٹیاں چلا رہی ہیں لیکن آپ اور مَیں بڑے اور وسیع پیمانے کے ادارے کی بات نہیں کر رہے کوئی ایسی بڑی یونیورسٹی جیسے قاہرہ یونیورسٹی جہاں پچاس ساٹھ ہزار طلبہ بیک وقت تعلیم پا رہے ہوں۔ ہم بات کر رہے ہیں، چھوٹے ادارے کی جہاں تھوڑے ذہین لوگ تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ تاریخ اسلام کے اس موڑ پر ہمیں بہت بڑے ادارے نہیں، جن میں تعداد کو دیکھا جاتا ہے بلکہ چھوٹے بنیادی اہمیت کے منصوبوں کی ضرورت ہے، جہاں معیار کو دیکھا جائے، جو ایک دفعہ کامیاب ہو گئے تو دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کریں گے۔

اسلامی سائنسی و عقلی روایت کو زوال کیوں آیا؟

مظفر: احیائی تحریک کا ایک تقاضا یہ بھی تو ہے کہ اُن اسباب کی آگاہی حاصل ہو جن کی وجہ سے اسلامی عقلی روایت کو زوال آیا تھا۔ اس ضمن میں بھی اب تک کوئی کام نہیں کیا گیا۔ چند غلط سلط باتیں دہرائی گئی ہیں مثلاً گولڈزیہر کا یہ نظریہ کہ اسلامی بنیاد پرستی پر غیر ملکی سائنسی علوم نے غلبہ پا لیا تھا یا یہ سادہ سا جواب کہ صاحب! اسلامی دنیا میں تو سائنس کا قتل الغزالی نے کیا تھا لیکن یہ مسئلے کے حقیقت پسندانہ اور صحیح جواب نہیں ہیں۔ صحیح جواب کیا ہیں؟ مَیں نہیں جانتا۔ اچھا اس مسئلے پر آپ نے بھی زیادہ نہیں لکھا۔ اس مسئلے کے متعدد پہلو ہیں مثلاً یہ سوال کہ زوال آیا تو کب آیا یعنی کب شروع ہوا؟ آپ کا کیا خیال ہے اسلامی عقلی روایت کو زوال کب آیا، کیوں آیا؟

نصر: پہلے تو مَیں یہ عرض کر دوں کہ میرا نہیں خیال کہ پوری کی پوری اسلامی روایت کو ہر لحاظ سے زوال آیا۔ یہ بات ہی غلط ہے۔ مثال کے طور پر اسلامی فنون کو دیکھیے جو اسلامی تہذیب کا انتہائی اہم شعبہ ہے۔ فن بافندگی کو آج تک زوال نہیں آیا۔ ایران میں انیسویں صدی میں انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب قالین بُنے جا رہے تھے۔ آج بھی قالین بافی کے نمونے شاہکار ہیں۔ اسی طرح فن تعمیر کو دیکھیے۔ بیسویں صدی تک بڑی خوبصورت عمارات تعمیر ہو رہی تھیں۔ سو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہم کن شعبوں میں زوال یا ترقی کی بات کر رہے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ اسلامی فلسفے کو دیکھیے جو اسلامی علمی روایت کا دل ہے۔ وہ ایران میں بیسویں صدی میں احیائی برگ و بار لا رہا تھا اور ہندوستان میں بھی انتہائی اہم مفکر اس مدت میں پیدا ہوئے مثلاً لکھنؤ میں فرنگی محل کے دانشور اور فضل حق آبادی کا مکتب اور بے شمار دوسرے ادارے اور نامور اشخاص۔ سو مجموعی زوال کی بات نہ کیجیے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ تمام تہذیبوں کو ایک خاص انداز میں زوال آیا تھا۔ اگر آپ ایک معیار کی بات کریں تو ایک روحانی طور پر زندہ و تابندہ تنظیم جسے تہذیب کہا جاتا ہے تو تمام غیر مغربی تہذیبیں آہستہ آہستہ زوال آمادہ ہوئی ہیں جب کہ مغربی تہذیب بڑی سرگرمی اور تیزی سے زوال پذیر ہوئی ہے۔ پھر آپ یہ بھی دیکھیے کہ پچھلی صدی سے غیر مغربی تہذیبیں زیادہ فعال ہوتی جا رہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن میں زوال کا عمل بند ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ فعالیت اکثر اوقات اُن کے اپنے روحانی معیار و اقدار کے مطابق نہیں ہوتی۔ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے جس کے متعلق مَیں اپنے کئی مقالات میں کھل کر بحث کر چکا ہوں۔

اچھا، آیئے! اب کچھ گفتگو سائنس اور فلسفے کے باہمی تعلق پر بھی کرتے ہیں کیونکہ یہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزم ہیں اور اسلام کی عقلی روایت میں ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں سمجھا جاتا۔ مسلم دنیا کی ایک کمزوری یہ ہے کہ اس کی اپنی عقلی روایات کی تفہیم اسلامی فلسفہ و سائنس کے مغربی مطالعات پر مبنی ہے۔ اور مغربی مطالعات ویسے تو زمانہ قدیم سے چلے آ رہے ہیں لیکن جدید مفہوم میں اُنیسویں صدی میں شروع ہوئے۔ ظاہر ہے اسلام کی عقلی روایت پر مغرب میں غور ہوگا تو مغربی نقطۂ نظر سے ہوگا۔ یہ قدرتی بات ہے۔ اہل مغرب کے نزدیک اسلامی فلسفہ و سائنس اُنیسویں صدی میں یکا یک اُس وقت ختم ہو گیا جب مغرب اور مسلم دنیا کے روابط ختم ہو گئے۔ جدید زمانے کے بعض دانشور مثلاً ہنری کوربن، تشیہیکو آئز وٹسو اور مَیں خود بھی، ایک عرصے سے بار بار اس حقیقت پر زور دے رہے ہیں کہ اسلامی فلسفہ ابن رشد پر ختم نہیں ہو گیا تھا۔ پچھلی چند دہائیوں سے علومِ طبیعی کے میدان میں ایسی فاضلانہ تحقیقات سامنے آئی ہیں جو زیادہ تر مغربی علما کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں، جنھوں نے اس پرانے خیال کو بدل کر رکھ دیا ہے کہ اسلامی سائنس کا زوال سقوطِ بغداد یا ایسے ہی کسی اور حادثے کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔

مراغہ کی رصدگاہ اور اُس کا عظیم مکتبِ فلکیات تو سقوطِ بغداد کے بہت بعد کی بات ہے۔

اُس کی دریافت کا سہرا ای ایس کینیڈی اور چند دوسرے مغربی علما کے سر ہے۔ بعض عرب علما مثلاً جارج سالبہ کا نام بھی ان میں شامل ہے۔ ہمیں ان سب کا ممنون ہونا چاہیے۔ مملوکیوں کی فلکیات پھر یمنیوں کی فلکیات کی دریافتیں ہوئیں۔ اس ضمن میں ڈیوڈ کنگ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انھوں نے اسلامی فلکیات کی تاریخ میں ایک بالکل نیا باب کھول دیا ہے۔ پچھلے کئی برس سے استنبول اور ترکی کے دوسرے شہروں میں عہدِ عثمانیہ کے سائنسی علوم پر تحقیقی کام ہو رہے ہیں اور یوں اسلامی سائنس کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

میرا اپنا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر ہم بعد کے تحقیقی کاموں کا سنجیدگی سے مطالعہ کریں۔ بے شک مغربی سائنس کی نگاہ ہی سے کریں جیسا کہ لاشعوری طور پر ہم مغربی نگاہ کو حرفِ آخر سمجھ بیٹھے ہیں؟ بالخصوص جب کہ مغربی سائنس نے اتنی اہمیت و مقبولیت حاصل کر لی ہے کہ ہماری نظر میں وہ تہذیبِ اسلامی کا پیمانہ بن چکی ہے یا یوں سمجھو کہ ہم نے مغربی معیار ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ جب کہ میں ایسا نہیں سمجھتا اگرچہ مسلم دنیا کے اہل دانش نے بہ حیثیت مجموعی سمجھ لیا ہے...... خیر اگر مغربی معیار ہی کو سب کچھ مان لیا جائے تب بھی اسلامی زوال کی حد آگے آ جائے گی یعنی زوال کا دور تیرھویں صدی نہیں بہت بعد کا مقرر کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر پچھلے دو تین برسوں میں بعض محققین نے، جن میں کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر جارج سالبہ پیش پیش ہیں، ثابت کیا ہے کہ شمس الدین فخری جسے ہمیشہ سے پندرھویں اور سولھویں صدی کا عالم دین یا مفکر خیال کیا جاتا رہا ہے، وہ بہت بڑا ماہر فلکیات بھی تھا بلکہ وہ بعد کے ماہرینِ فلکیات میں سب سے اہم اور سب سے بڑا تھا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر بعد کی صدیوں میں اسلامی تہذیب کے عرب علاقوں کے علاوہ پوری مسلم دنیا میں بالخصوص مسلم انڈیا، ایران اور عثمانی سلطنت میں تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں بڑی نمایاں اور قابل ذکر سائنسی سرگرمیاں اٹھارویں صدی میں بلکہ خاص شعبوں میں اُنیسویں صدی میں بھی ہوتی رہی ہیں، حتیٰ کہ مسلم دنیا میں مغربی سائنس کی آمد بتدریج شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ اُس نے اسلامی فلسفہ و سائنس کی روایت کی جگہ لے لی۔ فلسفے کے میدان میں تو اسلامی فکری روایت کبھی ختم نہ ہوئی۔ بیسویں صدی میں اسلامی فلسفے کے عظیم نمائندے جیسے علامہ طباطبائی اور دوسرے حضرات برابر کام کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ساتھ مَیں نے تعلیم بھی پائی ہے۔

ہمیں اسلامی سائنس کی واضح، قطعی اور مکمل تاریخ لکھنی پڑے گی۔ خاص طور پر بعد کی صدیوں کی۔ مسلم علما اب تک زیادہ تر مغربی علما کے فرمودات کی پیروی کرتے رہے ہیں، جن کا زورِ تحقیق اسلامی سائنس کے عہدِ اول کی تاریخ پر مرتکز رہا ہے، جس کے بارے میں بلاشبہ کافی نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن اب ضرورت ہے، اسلامی سائنس کی مکمل تاریخ کی جو ہمارے اپنے نقطۂ نظر سے لکھی جائے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اسلامی سائنس پر زوال کب اور کیوں آیا، پہلے ہمارے پاس اس کی مستند تاریخ تو ہو۔

دوسرے مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم اپنے نقطۂ نظر سے اسلامی سائنس کی تاریخ لے آئیں تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سائنس کی روایت سائنس کی اپنی تاریخ کا نقطہ عروج تھی۔ یعنی اگر جارج سارٹن کے طریقِ تحقیق کی پیروی میں آٹھویں تا پندرھویں صدی کی درمیانی مدت کی تاریخ پر غور کیا جائے۔ جس کے بعد یہ عالمی سائنس کی چوٹی پر نہ رہی اور مغربی سائنس زیادہ فعال اور سرگرم ہوگئی۔ تاہم اسلامی سائنسی روایت اپنے مخصوص تخلیقی انداز میں بارھویں، تیرھویں صدی ہجری/ اٹھارویں، اُنیسویں صدی عیسوی میں مسلسل جاری رہی۔ اور اسلامی فلسفہ تو آج تک جاری وساری ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی سائنس کی سرگرمی میں کمی...... مَیں اسے زوال نہیں کہوں گا...... کیوں آئی؟

میرا خیال ہے۔ یہ سوال ہی بے محل ہے کیونکہ اس کی بنیاد اس مفروضے پر قائم کی گئی ہے کہ ہر تہذیب کی عام فعالیت علم الکائنات اور ریاضیات کے شعبوں میں ہوتی ہے۔ یہ مفروضہ درست نہیں ہے۔ جب ہم سائنس کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں مثلاً عراق میں بابلی تہذیب کے ہزاروں سال پر مشتمل تاریخ، مصری تہذیب کی ہزاروں سال پر مشتمل تاریخ، یا رومن، چینی اور انڈین تاریخ...... ان طویل تاریخوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفروضہ درست نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر صورتوں میں زیادہ فعال سائنسی سرگرمی فی الحقیقت اُس وقت دیکھنے میں آئی جب وہ تہذیب مر رہی تھی۔ جارج سارٹن بھی یہی کہتا ہے۔ مثال کے طور پر بابلی تہذیب میں جو اپنے عظیم سائنسی شاہکاروں کی وجہ سے مشہور ہے، سائنس نے اُس وقت

عروج پایا جب وہ تہذیب ختم ہورہی تھی۔ بعض سائنسی علوم کے حوالے سے مصری تہذیب کی بھی یہی کیفیت ہے۔ یونانی تہذیب کا بھی یہی حال ہے۔ یونانی سائنس کے عظیم شاہکار مثلاً بطلیموس اور اقلیدس اور اُن کے معاصرین کے کارنامے اُس وقت ظہور میں آئے، جب یونان کے حصے بخرے ہوگئے تھے۔ اُس کا مذہب مررہا تھا۔ اُس کی ثقافت دم توڑ رہی تھی اور اُس کی سیاسی زندگی پر رومیوں کا تسلط قائم ہورہا تھا۔ یہ ناقابلِ تردید تاریخی حقائق ہیں۔ انڈین، چینی اور دوسری تہذیبوں میں بھی جن کی تاریخ بہت طویل ہے، ایک وقت ایسا آیا تھا جب سائنسی علوم اپنے جوبن پر تھے مثلاً ریاضی، طبیعیات، فلکیات اور کیمیا وغیرہ۔ ایسا وقت بھی آیا جب سائنس سے زیادہ لگاؤ نہ تھا اور جس وقت سائنس سے لگاؤ نہ تھا تو اُس وقت فنون سے زیادہ لگاؤ ہوگیا اور فنِ تعمیر، ادبیات، سیاستِ مدن اور ایسے دوسرے فنون نے بہت ترقی کی۔

سائنس بابلی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کے دورِ اول ہی میں شروع ہوگئی تھی یعنی اسلامی سائنس اسلامی تہذیب کے آغاز ہی میں اپنے عروج پر تھی۔ مثال کے طور پر جابر بن حیان دوسری صدی ہجری کا آدمی ہے۔ آج تک الکیمیا جابر سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ نویں صدی میں تو ایک سے بڑھ کر ایک عظیم علمائے فلکیات اور ریاضی دان کام کررہے تھے۔ دسویں صدی میں البیرونی اور ابن سینا جیسے عظیم لوگ برسرِعمل تھے۔ پھر ایک طویل عرصے تک کئی صدیوں تک نشیب وفراز آتے رہے۔ پھر اسلامی تہذیب کی صلاحیتوں اور توانائیوں کے دھارے نے رفتہ رفتہ اپنا رُخ بدل لیا۔ ۱۵۰۰ء کے آتے آتے مغرب طاقت پکڑ چکا تھا۔ انکشافات اور دریافتوں کا دور شروع ہوچکا تھا۔ یورپیوں نے امریکا دریافت کرلیا۔ پھر وہ افریقہ کے گرد چکر کاٹ کر بحرِ ہند کو عبور کرکے ایشیا کے ساحلوں تک پہنچ گئے لیکن وہ دارالسلام میں داخل نہ ہوسکے۔ اُس زمانے تک دنیائے اسلام بہت بڑی طاقت تھی۔ اُس وقت دنیا کی طاقتور ترین سلطنتیں عثمانیوں اور صفویوں کی تھی اور امیر ترین ہندوستان کی سلطنتِ مغلیہ تھی۔ یہ تینوں مسلم سلطنتیں معاشی، سیاسی اور عسکری لحاظ سے اُس وقت بھی بہت مضبوط، مستحکم اور طاقتور تھیں۔ ان کے فنون کو دیکھیے۔ تاریخ انسانیت کے عظیم ترین فن پارے اس دور میں تخلیق ہوئے۔ آگرہ کا تاج محل، اصفہان کی شاہی مسجد، استنبول کی مسجد سلطان احمد۔ یہ فنِ تعمیر کے اَن مٹ نقوش ہیں۔ پھر خطاطی، ادبیات اور دوسرے فنون کے شاہکار ہیں جن کے نام گنوائے جاسکتے ہیں۔

سو کسی تہذیب کو جانچنے کے لیے یہ سوال عائد کرنا کہ ''اُس میں سائنس کو زوال کیوں آیا؟'' اور پھر سائنس کے زوال کا موازنہ اُس تہذیب کے زوال سے کرنا بالکل غلط ہے۔ اس لیے کسی بھی تہذیب میں، معلومہ تہذیبوں میں سے بھی، تمام تخلیقی توانائیوں کو بہ تمام وکمال صرف علم الکائنات اور ریاضی پر نہیں جھونک دیا جاتا۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے، جب تہذیب صرف اپنے تصورِ کائنات ہی میں مطمئن ہوجاتی ہے اور بعد ازاں کسی بھی وقت اُس کی تخلیقی فعالیت کا رُخ فلسفے، آرٹ، تصوف، ادب، قانون اور دوسرے میدانوں کی طرف مڑ جاتا ہے۔ مَیں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ سوال کی نوعیت ہی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسری معلومہ تہذیبوں کے مقابلے میں جن میں جدید مغربی تہذیب بھی شامل ہے، اسلامی تہذیب کے اندر سائنسی علوم سے بہت زیادہ اور بہت گہرا لگاؤ رہا ہے۔ مغرب تو یہی کوئی چار سو سال سے گلیلیو کے وقت سے، سائنس سے دلچسپی لینے لگا ہے اور اب آ کر سائنس کو اپنی فکری و عقلی دلچسپی کا محور بنایا ہے۔ نہیں معلوم، آئندہ سو سال میں کیا ہونے والا ہے۔ قیاس کے گھوڑے دوڑانے سے کیا فائدہ؟ ہمیں واقعی نہیں معلوم حالات کا دھارا کس رُخ پر بہے گا۔ مَیں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب میں سائنس کی ترویج و اشاعت کے مسئلے کو ہمیں اسلامی تہذیب ہی کے دائرے میں رکھ کر اسلامی تہذیب کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

رہا تجدید و احیا کا مسئلہ جس پر آپ نے بہت اچھی اور صحیح بات کی ہے۔ یہ مسئلہ بھی ہمیں اپنی اسلامی سائنسی روایت کی روشنی میں حل کرنا چاہیے اور یہ بات مَیں چالیس سال سے بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصے سے برابر کہتا آ رہا ہوں۔ یہ مسئلہ بھی بڑے مغالطہ انگیز انداز میں اُٹھایا جا رہا ہے۔ یہ محض ایک مفروضہ ہے کہ اسلامی سائنس سات سو سال پہلے مر گئی تھی اور اب سات سو سال کے بعد اس کے احیا کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس مفروضے پر اڑے رہے تو اسلامی سائنس کا احیا کبھی نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ اُنیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں مروجہ اسلامی سائنس پر جدید مغربی سائنس کی کئی تہیں چڑھ چکی ہیں۔ بے شک اسلامی سائنس اور مغربی سائنس میں مطابقت پیدا کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں مثلاً تقسیمِ ہند کے بعد حکیم محمد سعید اور حکیم عبدالحمید مرحوم و مغفور کے ہاتھوں قائم شدہ ہمدرد انسٹی ٹیوٹ میں دوا سازی کا شعبہ اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ مَیں نے جس سائنسی مطابقت کا ذکر کیا ہے وہ

اس مفہوم میں ہے کہ مغربی طب کی ٹیکنالوجی کا پیوند مسلم دنیا میں رائج طبی روایت میں لگایا جائے۔ چنانچہ اسی مفہوم میں ہمدرد انسٹی ٹیوٹ نے مغرب کی طبی ٹیکنالوجی سے استفادہ کیا۔ اگر دوسرے شعبوں میں مغربی سائنس سے مطابقت پذیری زیادہ کامیاب نہ ہوسکی تو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

ایک منصوبہ جسے آپ میری زندگی کا خواب یا آرزوئے ناتمام کہہ لیجیے وہ یہ ہے کہ اللہ مجھے توفیق دے کہ میں اسلامی تہذیب کے تناظر میں اسلامی سائنس کی مکمل تاریخ مرتب کرجاؤں۔ اس کام کا آغاز میں نے An Annotated Bibliography of Islamic Sciences کے نام سے ۱۹۷۰ء کے عشرے میں کیا تھا۔ سات جلدیں اس کام کی ایرانی انقلاب سے پہلے مکمل ہوچکی تھیں۔ ان میں سے تین جلدیں تو میری ذاتی نگرانی میں طبع ہوئی تھیں۔ باقی کی چار جلدیں زیرِ تدوین ہیں۔ اسلامی سائنس کی جامع کتابیات کی تجمیع و تدوین کے اس کام کو دراصل اسلامی سائنس کی عظمت شناسی اور قدر افزائی کی طرف ایک بڑا قدم سمجھا جارہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تجدید واحیا کے مسئلے کا تعلق دو باتوں سے ہے۔ ایک تو یہ کہ عہدِ جدید سے پہلے کی اسلامی سائنس کی مرگ یا زوال یا انحطاط جو بھی آپ کہیں، کے اسباب کا جائزہ لیا جائے۔ دوسرے دورِ اول کی اسلامی سائنس کی تاریخ سے بھی اس مسئلے کا تعلق ہے جو محض جزوی علم کی بنیاد پر لکھی ہوئی نہ ہو بلکہ تمام سائنسی علوم پر محیط ہو۔

جدید مغربی چیلنجز۔ مسلم دنیا کیا کرسکتی ہے؟

مظفر: میرے خیال میں یہ مسئلہ اب بہت زیادہ اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ اس لیے کہ مغرب نے اپنی سائنسی دریافتوں کا رُخ جارحیت کی ٹیکنالوجیوں کی طرف کردیا ہے اور پھر ان جارحیت کی ٹیکنالوجیوں کو مسلم ممالک کو مفتوح کرنے اور اُن کے اداروں کو تباہ کرنے کے لیے وقف کردیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے مسلمان مصلحین جن کا پہلے ذکر کرچکا ہوں، بڑی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اُن پر قبضہ جدید سائنس ہی نے کیا ہے اور اب اُن کی نجات مغربی سائنس ہی کو اختیار کرنے میں ہے۔ لیکن میرا سوال قائم ہے کہ موجودہ صورتِ حال سے بحفاظت نکل آنے کی کیا راہ ہے؟ کیا طریقہ ہے؟ کیا علاج ہے؟ آپ نے صرف

طب کی مثال دی ہے لیکن دوسرے علوم بھی ہیں، طبیعیات ہے، کیمیا ہے، یہ سب ٹیکنالوجی کی ترقی میں اور بعدازاں معاشی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی اسلحہ سازی میں بھی استعمال ہوتی ہے اور یوں باقی دنیا پر غلبہ پانے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ ٹیکنالوجی، یہ اسلحہ، یہ سب کچھ جدید دنیا کے لوازم ہیں۔ کیا مسلم دنیا اپنے علمی و عملی فقدان کے باعث اس صورتِ حال سے نبرد آزما ہو سکتی ہے تو کیونکر؟

نصر: آپ کا سوال گہرا ہے۔ مذہبی اور فلسفیانہ نقطۂ نظر سے آپ کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ مَیں جدید سائنس کو گوئٹے کی دانش کے حوالے سے، فاؤسٹی یعنی شیطانی سائنس کہا کرتا ہوں۔ یعنی جدید سائنس نتیجہ ہے اپنی رُوح کو شیطان کے پاس گروی رکھ دینے کا۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس نے مغرب میں عیسائیت کے تصورِ کائنات کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے، بلکہ اسے عیسائیت کے لیے بربادی کا پیش خیمہ بنا دیا ہے اور اگرچہ سائنس مذہبی معاملات میں بظاہر غیر جانبدار نظر آتی ہے لیکن درحقیقت یہ غیر جانبدار نہیں ہے بلکہ بجائے خود ایک طرح کا فلسفہ بن کر بیٹھ گئی ہے۔ سائنس پرستی کا فلسفہ مغربی تصورِ کائنات پر چھا گیا ہے اور ٹیکنالوجی کی صورت میں اس کے اطلاق نے (چند کامیابیوں کے باوصف) پوری دنیا کو تباہ کر دیا ہے۔ ماحولیات کو اور زندگی کے ہر شعبے کو تباہ کر رہا ہے۔ ایسے حالات میں دنیائے اسلام کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا وہ مغرب کی طرح شیطان کے پاس اپنی رُوح گروی رکھنے کے سودے کے بغیر ویسی ہی طاقت حاصل کر سکتی ہے جیسی مغرب نے حاصل کی ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو یہ اُس کی خام خیالی ہے۔ مَیں نہیں مانتا کہ ایسا کبھی ہو سکتا ہے۔ کسی محیّر العقول قوت کا حصول جیسے ایٹم بم، جو مغرب کے ایٹم بموں کا جواب ثابت ہو سکے یا لیزر گائیڈڈ میزائل جو مغرب کے لیزر گائیڈڈ میزائل کا مقابلہ کر سکیں اور پھر اوپر سے یہ نعرہ لگانا کہ یہ ہے اسلامی بم، ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ محض ہماری خوش فہمی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے تباہ کن ہتھیار بنانا رُوحِ اسلام کے بھی خلاف ہے کیونکہ جدید سائنس کا یہ پورا کارخانہ قدرت میں موجود روحانی جہات کو فراموش کر دینے کے مترادف ہے۔ یعنی قدرت سے خدا کا انقطاع۔ ایسے میں کوئی سائنس دان انفرادی طور پر وہ خواہ کتنا ہی متقی اور خدا پرست ہو، روحانی کیفیت اُس کے کسی بھی حساب کتاب اور مشاہدے میں نہیں آ سکتی۔ لہٰذا یہ سوچنا غیر ضروری ہے کہ

جدید سائنس دان دنیائے فطرت کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دنیائے فطرت کا مطالعہ آج ذاتِ باری تعالیٰ سے بے نیاز ہوکر خالص تجرید کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ آج سائنس کے میدان میں اب کسی کو مابعدالطبیعیات سے سروکار نہیں رہا۔ البتہ ایسا یقیناً ہوسکتا ہے کہ کچھ سائنس دان ذاتِ باری تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں اور نجی زندگی میں نیک، سچے اور صالح ہوں۔ مگر یہ بات ہمارے موضوع اور استدلال سے تعلق نہیں رکھتی۔ آپ کسی ایسے ماہر طبیعیات کا نام لے سکتے ہیں جو ملحد ہو اور ایسے بھی کسی ماہر طبیعیات کو جانتے ہوں جو کٹر عیسائی ہو اور وہ دونوں طبیعیات کے نوبل پرائز میں برابر کے شریک ہوں۔ وہ صاحبِ ایمان ہیں یا ملحد ہیں اس کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں۔ سائنس تو صرف اتنا دیکھے گی کہ وہ سائنس کی جدید تفہیم کے مطابق کام کر رہے ہیں یا نہیں۔

آپ نے جو نکتہ اُٹھایا ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ مسلم دنیا کیا کر سکتی ہے؟ میرا نہیں خیال کہ طاقت کے تمام ذرائع یعنی ٹیکنالوجی پر مکمل دسترس حاصل کر کے ہم مسلمان بھی رہ سکتے ہیں اور مکمل طور پر خود مختار بھی۔ ہم اس طریقے سے خود مختاری حاصل نہیں کر سکتے۔ جاپان دوسری عالمی جنگ میں شکست کھا گیا۔ اگر وہ جنگ میں نہ کودتا تو آج وہ دنیا کی بڑی فوجی طاقتوں میں سے ایک ہوتا لیکن کس قیمت پر؟ آج پچاس سال بعد جاپان کی صورتِ حال کیا ہے؟ وہاں بدھ مت کو کیا ہوا؟ جاپان کی مذہبی روایات کو کس کی نظر کھا گئی؟ الحاد اور لاادریت بعد کی نسلوں میں جس طرح پھیلے ہیں سب کو معلوم ہے۔ یہی قصہ چین کا ہے جو دنیا کی بڑی طاقت بن سکتا ہے لیکن وہاں قدیم کنفیوشش کا چین برقرار رہے گا یا رخصت ہوجائے گا؟ یہ سوال ہے معاملے کی جڑ۔

مسلم حکومتوں سے یہ نہیں کہا جاسکتا: ''ہتھیار حاصل نہ کرو''، اس لیے کہ وہ اپنا دفاع کرنا اور مضبوط بننا چاہتی ہیں اور اچھی حکومت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے عوام کا دفاع کرے۔ اس کے باوجود اگر ہم مسلم مفکرین ہوائی قلعے بناتے رہیں جس طرح ہمارے مسلمان مفکرین صدیوں سے بناتے رہے ہیں یا مزید آگے بڑھ کر ہم خیال کریں کہ ہم مغرب کی ٹیکنالوجی کی عسکری اور دوسری صورتوں پر مکمل دسترس حاصل کر سکتے ہیں اور ہم مغربی ٹیکنالوجی کے منفی اور ضرررساں اثرات سے بھی محفوظ رہیں اور ٹیکنالوجی جو اپنے ساتھ مادہ پرستی کے افکار لاتی ہے، اُن سے بھی

بچے رہیں تو ہم اس طرح اپنے پیشے سے انصاف نہ کر سکیں گے اور ہم پر جو اجتماعی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اُس سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ جو لوگ ہمارے پچھلے تمام مصلحین کے خوابوں پر اعتبار کرتے ہیں محمد علی پاشا، مفتی محمد عبدہٗ، جمال الدین افغانی اور ترکی کے سعید نورسی، علامہ محمد اقبال اور ایسے دوسرے حضرات کے خواب اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح بیک وقت مغرب کی سی ٹیکنالوجی کی طاقت بھی حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے تصورِ کائنات کے بھی وفادار رہ سکتے ہیں یہ لوگ خود بھی ناممکن کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ مسلم مفکرین کی حیثیت سے ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ دنیاوی نتائج خواہ کچھ بھی ہوں جہاں تک سائنس اور فطرت کا تعلق ہے ہمیں اسلامی تصورِ کائنات اور تناظر کو بہرصورت قائم رکھنا چاہیے۔

دوم یہ کہ جس طرح مغرب میں بعض لوگ جدید ٹیکنالوجی سے اپنے ماحولیات کے تحفظ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، ہمیں بھی اپنے ماحولیات کے تحفظ کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

سوم یہ کہ ہمیں مغربی سائنسی علوم کا پورا اور گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اور اُن کو اسلامی تناظر میں جذب کر لینا چاہیے اور یہ کام آگے بڑھ کر اگلے مورچے پر سائنسی علوم کی سرحدوں پر جا کر خصوصاً طبیعیات کی سرحدوں پر اور کوانٹم میکانیات کے اندر جا کر۔ کوانٹم میکانیات کی تعبیرِ نو کوپن ہیگن سکول اور ڈیکارٹ کے نظامِ ثنویت کے مطابق نہیں (جو جدید کوانٹم میکانیات کی فکری بنیادوں میں بیٹھے ہیں) بلکہ مابعد الطبیعیات کے تناظر میں کرنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان معاملات کو فلسفیانہ طور پر سمجھنا بڑا ہی مشکل اور کٹھن کام ہے اور یہیں سے ہمارے لیے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کوانٹم میکانیات کے علاوہ دوسرے شعبوں کا بھی یہی حال ہے۔

چہارم یہ کہ ہمیں دنیائے اسلام میں جہاں تک ممکن ہو سکے، ایسے علاقے قائم کرنے چاہئیں جہاں عالم فطرت اور سائنس کے اسلامی تصور پر مبنی متبادل ٹیکنالوجی پر تجربے کئے جا سکیں، بالخصوص طب، دوا سازی، زراعت اور دوسرے شعبوں میں جہاں تجربے ہو سکتے ہوں۔ اُمید ہے کہ نت نئے، مہلک اور تباہ کن ہتھیار بنانے کا جنون، جس کی وجہ سے دنیا میں تباہی و بربادی آ رہی ہے، بتدریج ختم ہو جائے اور انسانیت کی رمق باقی رہ جائے جو مقدس اور روحانی طور پر معتبر سائنس کا بیج بو سکے اور خوش آئند مستقبل کے لیے عالم فطرت سے ہمارا سچا تعلق قائم کر سکے۔

اسلامی سائنس، تصورِ کائنات اور جدید سائنس

مظفر: آپ کے نظریے اور کام پر جو تنقید ہوتی رہتی ہے، اُس کے بارے میں ایک مختصر سا سوال اور آخر میں آغازِ تخلیق خصوصاً مبدأ کائنات کے بارے میں ایک سوال۔ ڈیوڈ کنگ اور چند دوسرے مؤرخین نے آپ پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ نے اسلامی سائنس کی تعریف متعین کیے بغیر اس کو ایک ''آئیڈیل'' بنادیا ہے حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے اپنی متعدد تحریروں میں اسلامی سائنس کو بڑی صراحت سے بیان کیا ہے لیکن آپ نے ریاضیات کی تاریخ کے بارے میں اپنا جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے، ڈیوڈ کنگ نے اُس پر خاصی نکتہ چینی کی ہے۔ میرا خیال ہے، ''فیسٹول آف اسلام'' کے موقع پر آپ کی جو کتاب شائع ہوئی تھی ڈیوڈ کنگ کا اشارہ اُس کی طرف ہے۔

نصر: جی ہاں۔ اسلامک سائنس۔ ایک باتصویر مطالعہ

مظفر: مجھے نہیں معلوم، آپ نے کبھی تنقید کا جواب دیا ہو۔

نصر: جی ہاں! میں اپنی کتابوں پر تنقید کا جواب دینے کے خبط میں کبھی مبتلا نہیں ہوا۔ تاہم اسلامی سائنس پر میرے کام کے خلاف ڈیوڈ کنگ اور دوسرے حضرات نے جو نکتہ چینی کی ہے، اُس کے جواب میں صرف دو باتیں عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ ڈیوڈ کنگ نے دو تصحیحات کی ہیں جو میں اُن کے شکریے کے ساتھ بسر وچشم تسلیم کرتا ہوں۔ خاص طور پر ایک آلے کی تشریح کے ضمن میں مطالعے کی غلطی ہے۔ دراصل ہم اس کتاب کی تکمیل واشاعت کے لیے بہت عجلت میں تھے۔ ۱۹۷۶ء کا ''فیسٹول آف اسلام'' سر پر کھڑا تھا۔ لکھنے کا کام تو قریب قریب مکمل ہو چکا تھا لیکن نظر ثانی باقی تھی۔ عجلت میں یہ غلطی رہ گئی۔ بہر حال جن چند غلطیوں کی نشاندہی ڈاکٹر کنگ نے کی ہیں وہ بالکل درست ہیں اور اس میں وہ حق بجانب ہیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میں نے اسلامی سائنس کی تاریخ کا جائزہ مجموعی تناظر میں لیا ہے جسے ڈاکٹر ڈیوڈ کنگ اور دوسرے مغربی مورخین سائنس سمجھ نہیں سکے۔ کیونکہ یہ حضرات دراصل ثبوتیت اور تجربیت کے قائل ہیں۔ وہ سائنس کی تاریخ کا مطالعہ ماخ اور جارج سارٹن کی عینک سے کرتے ہیں جنھوں نے پیری ڈوہم (Pierre Duhem) کے نقطۂ نظر کو مسترد کر رکھا ہے، جس کے مطابق سائنس کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ثبوتیت کو نہیں، غیر ثبوتیت کو بنیاد بنانا چاہیے۔

چنانچہ جونہی سائنس کی تاریخ مرتب ہونا شروع ہوئی یہ ثبوتیت کی اساس پر اُستوار ہوتی گئی۔ لیکن ثبوتیت کے اسلوبِ تحقیق کو مَیں نے اپنی علمی زندگی کے آغاز ہی میں مسترد کر دیا تھا۔ مَیں اُس وقت زیادہ تر اِس کوشش میں تھا کہ سائنس کو اسلام کے عقلی تناظر میں سمجھا سمجھا یا جائے۔ یعنی جہاں تک مَیں سمجھا ہوں حالانکہ یہ سمجھنا بھی کوئی آسان کام نہیں کہ سائنس اصل میں ہے کیا؟ پھر بھی مَیں اپنے طور پر خاصا واضح ہوں۔ اگر آپ کسی مغربی مفکر سے پوچھیں کہ سائنس کیا ہے؟ تو اُس کے لیے اس سوال کا جواب دینا خاصا مشکل ہوگا حالانکہ اس سوال کا جواب وہی ہے جو سائنس کے ایک مورخ نے دیا تھا کہ سائنس وہی کچھ ہے جو سائنس دان کرتے ہیں۔

مظفر: درست

نصر: آپ خود بھی سائنس دان ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا یہ جواب بہترین جواب نہیں ہے کیونکہ اگر آپ کا جواب یہ ہوگا کہ سائنس فلاں فلاں مخصوص سائنسی طریق پر مبنی ہوتی ہے تو یہ جواب کم از کم کیپلر یا آئن سٹائن کے موافق نہ ہوگا۔ اسی طرح آپ اس کے علاوہ کوئی اور جواب دیں تو اُس کے لیے کچھ اور مستثنیات ہوں گی۔ پس سائنس تو وہی کچھ ہے جو سائنسدان کرتے ہیں۔ تو پھر اسلامی سائنس بھی وہی کچھ ہے جو اسلامی سائنس دان کرتے ہیں۔ مزید برآں مَیں نے تو اپنی طرف سے اسلام کی عقلی کائنات کے پورے سیاق و سباق میں اسلامی سائنس کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور میرا خیال ہے کہ مَیں نے اسلامی سائنس کی تاریخ کے اپنے مطالعے میں بڑی وضاحت سے تحریر کر دیا ہے لیکن مغرب کے مورخین نے ایک عرصے تک میرے موقف کو تسلیم نہیں کیا۔ بہرصورت اب چند سائنس دان سامنے آئے ہیں جنھوں نے میرا یہ نقطۂ نظر تسلیم کر لیا ہے کہ سائنس کی تاریخ کو متعلقہ تہذیب کے اپنے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ جوزف نیدہم (Joseph Needham) پر میری تنقید کا تعلق بھی میرے اسی موقف سے تھا۔ انھیں اپنی تصنیف 'چین میں سائنس اور تہذیب' کی مدد کے لیے کیمبرج یونی ورسٹی کے اہلِ علم کی ایک پوری ٹیم میسر تھی جبکہ مَیں اکیلا تھا اور میں نے اورینٹل سائنس کے بارے میں اُن کے خلاف ردِ عمل کے طور پر اسلام میں 'سائنس اور تہذیب' لکھی تھی۔ اُس وقت انھوں نے اپنی یادگار کتاب لکھنی شروع ہی کی تھی اور ایک ایسے مغربی سائنس دان کے نقطۂ نظر سے لکھی تھی جو مارکسی اشتراکی خیالات رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ

کنفیوشیسیت اور تاؤمت کے تناظر سے چینی سائنس کی تاریخ لکھی جاتی تو وہ بالکل مختلف ہوتی۔ بالکل یہی معاملہ اسلامی سائنس کا ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں، مَیں نے اپنے طور پر وہ منہاجِ تحقیق وضع کر دیا ہے جسے اسلامی سائنس کی تاریخ کے مطالعے کے لیے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مَیں نے بہت پہلے ساٹھ اور ستر کی دہائی میں اس منہاج کو اپنی تصنیف میں واضح کر دیا تھا۔ اور اب تو ہمارے پاس نوجوان مسلم دانشوروں کی ایک پوری نسل تیار ہو چکی ہے بلکہ سائنس کی تاریخ کے ایسے مغربی دانشور پیدا ہو چکے ہیں جو ہمارے نقطۂ نظر کے خلاف نہیں۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جو اس موضوع کے بارے میں میرے ہم خیال ہیں، اگرچہ مخالفین کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ میں ہمیشہ اچھے مفکرین کا احترام کرتا ہوں جیسے ڈیوڈ کنگ ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اُس روحانی تناظر سے باہر ہیں، جو صرف مسلمان سائنس دانوں ہی کا حصہ ہے۔ نصیرالدین طوسی یا ابن سینا کا تصورِ کائنات مغربی سائنسدان پوری طرح نہیں سمجھ سکتے لیکن اس سے اُن کے احترام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انھوں نے اپنی اپنی جگہ قابلِ قدر خدمات انجام دے رکھی ہیں۔ مسلمان مورخینِ سائنس کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے انداز میں اسلامی نقطۂ نظر سے سائنس کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ جارج سارٹن نے، جن کا مَیں ہارورڈ یونیورسٹی میں شاگرد رہا ہوں اور جو بلاشبہ بڑے فاضل مورخ تھے، یا دوسرے مورخین نے جو کچھ لکھا ہے، اُسے مدِّنظر رکھتے ہوئے خالص اسلامی تناظر میں سائنس کی تاریخ مرتب کریں۔ مَیں نے زندگی بھر یہی خدمت انجام دینے کی کوشش کی ہے۔ اچھا آیئے اب اپنے آخری سوال کی طرف۔ کیا سوال تھا؟

مظفر: جی، میرا آخری سوال آغازِ تخلیق سے متعلق ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ آغازِ تخلیق کائنات اور آغازِ تخلیق حیات۔ مذہب اور سائنس کے میدان کا یہ بہت بڑا موضوع ہے۔ آپ نے اپنی تصنیف *Islamic Cosmological Doctrines* میں مسئلہ تخلیق پر تین خاص پہلوؤں سے بحث کی ہے لیکن جدید کونیات جو خالص طبیعی کائنات ہے، آپ کے نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کرتی۔ میرا سوال یہ ہے کہ ہبل کی دوربین اور دوسرے جدید آلاتِ رصد کے مشاہدات کے ذریعے جو نئے انکشافات وحقائق سامنے آئے ہیں اُن کی تطبیق ابن سینا، اخوان الصفا اور البیرونی کے نظریات سے کیونکر ہو سکتی ہے؟ مختصر یہ کہ اب جو نئے شواہد وانکشافات

سامنے آئے ہیں، اُن کی روشنی میں تخلیقِ کائنات کے آغاز کے بارے میں اب اسلامی نقطۂ نظر کیا ہوگا؟ اور ابن سینا اور البیرونی کے نظریات سے اُن کا موازنہ کن اصولوں کی بنیاد پر ہوگا؟

نصر: بات یہ ہے کہ اسلام نے یا ہندومت یا عیسائیت یا کسی اور مذہب نے آغازِ تخلیقِ کائنات کے بارے میں جو بھی تعلیمات دی ہیں۔ جدید کونیات نے انھیں غلط اور منسوخ قرار نہیں دیا ہے۔ جدید کونیات محض طبیعیاتِ ارضی کی توسیع ہے، جو اس مفروضے پر مبنی ہے کہ طبیعیات کے تمام قوانین جو زمین پر لاگو ہوتے ہیں، اُن کا اطلاق تمام کائنات پر ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ جدید کونیات توسیع ہے۔ ہر وہ چیز جس کی پیمائش آلات سے نہ ہو سکتی ہو، اس سے خارج ہے۔ پس جدید کونیات کلاسیکی طبیعیات کے علاوہ جدید طبیعیات اور کوانٹم میکانیات کی قابلِ پیمائش دنیا تک محدود ہے۔ جب کہ اس کے برعکس آغازِ تخلیق کائنات کے بارے میں اسلام کے یا کسی دوسرے روایتی مذہب کے عقائد حقیقت کے پورے عرفان پر مبنی ہیں۔ حقیقت میں صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہی نہیں بلکہ تمام ملکوتی یا غیر مادّی جہات بھی شامل ہیں، جن پر کائنات کے طبیعی پہلوؤں کے بارے میں نئی تحقیقات و انکشافات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مَیں تمام جدید کونیاتی نظریات کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیتا۔ یہ سب ہر دس سال کے بعد تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان نظریوں کے بارے میں قیاس آرائی بہت ہوتی ہے۔ نامعلوم کی ایک ایسی فضائے بسیط معلوم پر محیط ہے جسے تخلیقِ کائنات کے بارے میں آخری اور حیرت انگیز نظریے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، وہ منصۂ شہود پر آنے کے بعد متروک و منسوخ ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی دوسرا سائنسدان اپنی نئی دریافت کے ساتھ آ جاتا ہے کہ اُس نے مشاہدۂ افلاک کے لیے نئے صوتی آلات ایجاد کر لیے ہیں، جو نتائج کو یکسر بدل کر رکھ دیں گے یا کوئی محقق نمودار ہو کر دعویٰ کرے گا کہ اُس نے ایک نیا نظامِ پیمائش یا نیا ہندسی فارمولا دریافت کر لیا ہے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے نظریات کی قطار لگ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر زمانۂ حال میں متعدد نظریے مشہور ہیں۔ کثیر نوعی کائناتیں (Multiple Universes)، سٹرنگ تھیوری (String Theory)، بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theory) بلکہ میرے زمانۂ طالبِ علمی سے اب تک کونیات کے پانچ چھ بڑے نظریوں کی صحت کے بارے میں دلائل کا انبار لگ چکا ہے۔

میرا خیال ہے جو لوگ جدید طبیعیات و کیمیا کی اساس پر کائنات کے بارے میں نظریہ

سازی کرتے ہیں، انھیں اصطلاح ''کونیات'' (Cosmology) استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ کونیات کا مطلب ہے کون یعنی کائنات کی سائنس۔ اور کائنات صرف مادی یا قابل پیمائش یا مرئی چیزوں تک محدود نہیں ہے۔ یہ چیزیں کائنات کا حصہ تو ہیں، لیکن یہی کُل کائنات نہیں ہیں۔ اسی لیے مَیں خود بھی ایسی نظریہ سازی کو سنجیدگی سے نہیں لیتا۔ ہمارے لیے جو کرنے کا کام ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق پہلے کائنات کے متعلق اسلامی نظریہ قائم کریں، پھر یہ دیکھیں کہ جدید ماہرینِ کونیات کیا کہتے ہیں؟ اسلامی نظریے اور جدید نظریوں میں خواہ مخواہ کی ظاہری مماثلتیں ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں، جیسے یہ کہنا کہ ہاں بگ بینگ کے بارے میں تو قرآن نے پہلے ہی کہہ رکھا ہے ''کن فیکون'' یا جیسے کہ بعض مسیحی علماے دین کہا کرتے ہیں، امر ربی (Fiat Lux)۔ اس طرح کے مذہبی اقتباسات کو سائنسی نظریات پر منطبق کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ عنقریب کوئی سائنس داں اُٹھے گا اور ثابت کر دے گا کہ بگ بینگ نہیں ہوا تھا۔ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ دس پندرہ سال پہلے کی بات ہے فلاڈیلفیا میں یہودی علمائے دین اور یہودی ماہرین کونیات کے مابین بگ بینگ کے مسئلے پر ایک بڑی کانفرنس ہوئی تھی۔ آج بھی ایسے کئی ماہرینِ کونیات موجود ہیں جو بگ بینگ کو یا اس کے نظریے کو تسلیم نہیں کرتے۔ میرے خیال میں مذہبی کونیات کو جس کی اساس ماورائے طبیعی عرفان یا تصورِ کائنات پر ہے اور جدید کونیات کو ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ یہ علم کے دو جداگانہ طریق ہیں اور ان کی اصطلاحیں اور باتیں جداگانہ ہیں۔ جدید کونیات اس نظریے کی بنیاد پر کھڑی ہے کہ کرۂ ارض کی طبیعیات کے مطابق جو قابلِ مشاہدہ چیز قابل پیمائش ہے، اُس کا اطلاق پوری کائنات پر ہوتا ہے یعنی ستارے جس مادے سے بنے ہیں، اُسی مادے سے وہ گلیاں بنی ہیں جن پر آپ اور مَیں چلتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ادعا ہے جسے سائنسی طور پر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جدید تجزیہ پسندی، جدید سائنس پرستی کی نظریہ بازی کی تحریک کا ایک حصہ ہے۔ ہمارے لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ اسلامی کونیات کا جدید نظریوں اور مفروضات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک بالکل مختلف آرٹ، بالکل مختلف سائنس اور بالکل مختلف اندازِ فکر ونظر ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دو بالکل مختلف ومتضاد چیزوں، دو بالکل مختلف ومتضاد علوم، دو بالکل مختلف ومتضاد عقلی مشاغل کے لیے ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے۔ روایتی کونیات اور جدید کونیاتی مفروضات میں زمین وآسمان کا فرق ہے، جو پچھلی صدی میں وضع ہوئے ہیں اور جو محض ارضی طبیعیات کی توسیع ہیں۔

اور جہاں تک تخلیقِ حیات کے آغاز کا تعلق ہے میرا خیال ہے اور یہ فقط میرا خیال ہی نہیں ہے بلکہ پوری اسلامی عقلی روایت کا فیصلہ ہے جس کی توثیق حکمتِ قدیمہ نے کر رکھی ہے کہ ہر چیز کا مبدا ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ ہر چیز جو موجود ہے، اُس کا وجود ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اگر مغربی فلسفے یا مذہب کی زبان میں بات کریں تو کہا جائے گا کہ تمام مخلوقات کا مصنف خدا کا ہاتھ ہے۔ جو چیز بھی خلق کی گئی ہے وہ اُسی مصنفِ اعظم نے پیدا کی ہے۔ زندگی ایک عجیب اور مختلف نوعیت کی چیز ہے، جو کرۂ ارض کی سطح پر پائی جاتی ہے جہاں ہم اس کا مشاہدہ بے جان مادے کے مقابل کرتے ہیں اور یہ خیال کہ خالق اور اُس کی مخلوقات کا باہمی تعلق صرف مبدائے کائنات کے نقطۂ آغاز سے ہے اور اس کا نقطۂ آغاز بگ بینگ ہے اور بگ بینگ کے فوراً بعد خالق و مخلوق کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ یہ خیال محض ایک خود ساختہ مفروضہ ہے جسے اسلام ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام کے نزدیک رضائے الٰہی ہر وقت، ہر دم اپنی مخلوقات کے ساتھ رہتی ہے۔ رضائے الٰہی آپ کے ساتھ بھی ہے، میرے ساتھ بھی ہے، لہٰذا مخلوقات کی ابتدا کا مسئلہ بہت آسان اور قابل فہم ہو جاتا ہے۔

یہ ایک اور امر ربی ہے، ایک اور خداوندی شانِ نزول، مادی دنیا میں شمولیت، حقیقت مطلقہ کے ایک اور مکانی تانے بانے کا تعارف۔ پس اگرچہ ہم کیمیاوی اور حیاتیاتی عناصر میں زنجیری عمل پیدا کرنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں لیکن ان مادوں میں کوئی مکمل تعامل پیدا نہیں ہو پاتا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر تسلسل نہیں تو پھر ایک جست سہی، ایک لمبی کوانٹم چھلانگ۔ جدید سائنس میں اگرچہ قدرت کی تخلیق سے ”خدا کا ہاتھ“ کاٹ دیا گیا ہے یعنی تخلیق سے خدا کا کوئی تعلق نہیں۔ پھر بھی تخلیق کی قوت کائنات کے اندر الوہیت، وحدت الوجودیت اور ماورائیت کی صورت میں جاری و ساری محسوس ہوتی ہے، اگرچہ سائنسدان ایسی اصطلاحات استعمال نہیں کرتے۔ یوں لگتا ہے جیسے تخلیق کی قوت خدا کے ہاتھوں سے لے کر قدرت کے ہاتھوں میں دے دی گئی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی یکا یک کیمیاوی عناصر کا ملغوبہ چھلانگ لگا کر ایک زندہ مخلوق بن جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ چھلانگ خود دنیائے فطرت کے اندر سے لگائی گئی ہے اور یہ سوچ کر کہ یہ سب کچھ خود بخود ہوا ہے لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ اس پودے کا عمل ایک ماورائی سبب ہے تو وہ مضطرب ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ یہ کیسے

ممکن ہے؟ یہ اُس فلسفے کی وجہ سے عین ممکن ہے جو آج دنیائے جدید پر مسلط ہے حالانکہ اس کی کوئی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ چھلانگ بیرونی عوامل کے سبب سے نہیں بلکہ اندرونی عوامل کے سبب سے لگی ہے تو یہ بڑی اہم، قابل فہم اور قابل ذکر بات ہے۔

یہ بات اُس چھلانگ پر بھی صادق آتی ہے، جو زندگی سے شعور کی طرف لگائی جاتی ہے بلکہ یہ چھلانگ زیادہ بڑی اور لمبی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک پرندے کو اُڑتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس سوچ میں پڑ جانے کی کوئی منطق نہیں ہے کہ پَر ایک ایسے عضو سے بتدریج پیدا ہوئے تھے جس کا پرواز سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یا یہ فرض کرنے بیٹھ جائیں کہ آنکھ کسی عجیب عضو سے ارتقا پا رہی تھی کہ یکایک اس نے دیکھنا شروع کر دیا۔ اس قسم کی سوچ بالکل فضول ہے۔ لیکن ایسی باتوں پر ہم یقین کر لیتے ہیں اور حقیقت کی اُن نشانیوں پر یقین نہیں کرتے جو قدرت میں نظر آ رہی ہیں اور جن میں کثرت ہے، تنوع ہے، متنوع حقائق ہیں، متنوع اشکال ہیں، متنوع انواع ہیں، زندگی کی متنوع صورتیں ہیں، متنوع صلاحیتیں اور توانائیاں ہیں۔

تاہم میرا ایمان ہے کہ اسلام کی وہ تعلیمات جن کا خاکہ چند ماہرین کونیات نے تیار کیا تھا، جن کا تذکرہ مَیں نے کونیات سے متعلق اپنی کتاب میں کیا تھا، آج بھی مستند و معتبر ہیں۔ اگرچہ اسلامی کونیات کی اور بھی صورتیں اہم ہیں۔ اگر آپ کے پاس باصلاحیت مسلمان فلسفیوں اور سائنس دانوں کی کھیپ موجود ہو جن کی جڑیں اپنی روایت میں بہت گہری ہوں تو وہ تمام چیزوں کے درمیان کمال درجے کا ارتباط پیدا کر سکتے ہیں۔ یوں سمجھے کہ جدید سائنس نے زندگی کے بارے میں جتنی چیزیں بھی دریافت کی ہیں اُن سب میں ایک کامل ہم آہنگی پیدا کر دیں گے۔ ثابت ہو جائے گا کہ زندگی کی بنیاد محض غیر ثابت شدہ اور قیاسی مفروضات پر نہیں بلکہ حقیقت پر قائم ہے۔ ایسا کرتے وقت نہ تو کسی مذہبی عقیدے کو قربان کیا جائے گا نہ سائنس کی کسی دریافت کو نظر انداز کیا جائے گا۔ سائنس کی ہر دریافت حقیقت کو حقیقت جان کر کی گئی ہے اور محض مفروضات پر مبنی ایسی تشریحات و تعبیرات کو، جو حقیقتِ مطلقہ کے عرفان اور طبیعی کائنات کے ہر مظہر میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے ہم آہنگ نہ ہوں، سائنس بھی اُن کو تسلیم نہیں کرتی۔

اشاریہ البرہان ۲۰۲۴ء

جنوری

فکرونظر		
یک سوال-غزہ: تاریخ لکھی جائے گی	مدیر	۴
تعلیم وتربیت		
- علوم اسلامیہ میں تحقیق کی زبوں حالی	ڈاکٹر طفیل ہاشمی	۶
-سوشل میڈیا کے طلبہ وطالبات پر منفی اثرات	زین قریشی	۸
- وحدانی نظام تعلیم	حافظ عتیق الرحمٰن گورچانی	۱۳
فکرودانش		
- احیائے اسلام: روداد سیمینار اسلام آباد	حافظ محمد عمران طحاوی	۲۰
- پاکستان میں دینی قوتیں کیوں کامیاب نہیں ہوسکیں؟	مدثر رشید	۳۰
تفہیم دین		
-عجم ہنوز نداند رموزِ سرمایہ مفتی تقی عثمانی کی کتاب پر تبصرہ	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۴۴
-فکرِ شیخ الہندؒ کے عصری تقاضے	مولانا زاہد الراشدی	۵۶
تفہیم مغرب		
- مغرب کے غلبے کے اسباب کیا ہیں؟	شاہنواز فاروقی	۵۹
- ٹیکنالوجی دنیا کو بدل رہی ہے کیا آپ بھی بدلنے کو تیار ہیں؟	کمانڈر محمود اقبال	۶۴
خطوط		
عمران خان کے نام، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ کے نام، مدیر البرہان کے نام	ادارہ	۶۶
یادرفتگان		
جسٹس ڈاکٹر محمد الغزالی مرحوم	پروفیسر ڈاکٹر محمد امین	۶۸
عالم اسلام		
افغانستان-ترکی-چینی ترکستان-سوڈان	ڈاکٹر انصاری و مدیر	۷۰
English Section		۸۲
Capital and its Crisis	Dr. Javed Akbar Ansari	

فروری

فکرونظر		
غزہ: کیا پتھر بارشوں کے مستحق ہیں ہم؟	ڈاکٹر سیف اللہ فیضی	۴
تعلیم وتربیت		
- قرآن سے کھلواڑ	مدیر	۵
-'دوڑو دنیا کی طرف': کیا جامعۃ الرشید کے مفتی عبدالرحیم صاحب کا مؤقف مناسب ہے؟	پروفیسر ڈاکٹر محمد امین	۸
فکرودانش		
عصرِ حاضر میں احیائے اسلام: اصل چیلنج علمی وفکری ہے	ڈاکٹر اسعد زمان	۱۹
تفہیم دین		
-قرآن حکیم کو محض سیاسی انقلاب کا علمبردار سمجھنے کی نفسیات اور اس کے مخدوش اثرات	حافظ موسیٰ بھٹو	۲۳
-جماعت اسلامی کی قیادت کو فکرمندی کی ضرورت	مدیر	۳۱
-متجددین کی نشانیاں اور اقسام		۳۳
اسلام اور پاکستان		
- پاکستان میں احیائے اسلام کی عملی جدوجہد: دینی جماعتوں خصوصاً ڈاکٹر ابصار احمد اور ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب کی توجہ کے لیے	ڈاکٹر محمد امین	۳۵
- دینی جماعتیں اور انتخابات ۲۰۲۴ء		۴۷
- کیا فوج کا تربیتی نظام استعمار کی وراثت پر مبنی ہے؟	قاضی حسین احمد	۴۸
تفہیم مغرب		
مغرب کے خلاف انقلاب ممکن نہیں	مکرم محمود	۵۳
عالم اسلام/فلسطین		
جہادِ فلسطین کامیابی کی منازل طے کررہا ہے	ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	۷۳
اشاریہ: اشاریہ 'البرہان' ۲۰۲۳ء	ادارہ	۷۷
English Section		۸۲
American Terrorism	Dr. Javed Akbar Ansari	

مارچ

فکرونظر		
اسٹیبلشمنٹ، حکمرانوں اور سیاستدانوں کی توجہ کے لیے		۵
تعلیم وتربیت/تزکیہ		
-تسہیل القرآن	مدیر	۷
-قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علم (آخری قسط)	ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی	۹
-بچوں کو کہانیاں کیسے سنائی جائیں؟	ادارہ	۲۰
-بچوں کی تربیت کا ایک غلط منہج	امیر حمزہ	۲۴
-رمضان کے لیے پلاننگ کیجیے	مدیر	۲۶
-اپنی تنہائی بہتر بنائیے	ڈاکٹر محمد زبیر	۲۷
-اللہ سے گلہ شکوہ	ڈاکٹر طفیل ہاشمی	۲۹
تفہیم دین		
-مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی	مراد علی	۳۰
-مفتی تقی عثمانی صاحب کا خط: عمار ناصر کے نام	مولانا مفتی تقی عثمانی	۳۱
اسلام اور پاکستان/انتخابات ۲۰۲۴ء		
- دینی سیاسی جماعتوں کو ووٹ کیوں نہیں ملتے؟	پروفیسر ڈاکٹر محمد امین	۳۴
- دینی سیاسی جماعتوں کے لیے متبادل پروگرام: مزید وضاحت		۴۱
- جماعتِ اسلامی کے اہلِ علم ودانش کی خدمت میں		۴۳
مطالعۂ کتاب		
'حقیقت جمہوریت' از ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری	مکرم محمود	۴۸
English Section		۶۷
Understanding Contemporary Capitalist Order	Dr. Javed Akbar Ansari	
مقالۂ خصوصی		
پاکستان میں مذہبی سیاست اور اسلامی تحریکیں	سید خالد جامعی	۶۸

اپریل

فکرونظر		
جان لیوا مخمصہ - غزہ	مدیر	۴
مقالۂ خصوصی		
عصرِ حاضر میں اسلام کا سیاسی نظام پاکستان کے لیے ایک عملی خاکہ	ڈاکٹر محمد امین	۹
تعلیم وتربیت		
-تسہیل القرآن		۷
-یونیورسٹیوں میں زوالِ تحقیق	پروفیسر عبداللہ	۳۷
-نئی نسل کے رجحانات اور ہمارا نصابِ تعلیم	طارق سلیم لون	۳۸
-استعمار اور مسلم اصطلاحات	ادارہ	۴۲
تزکیۂ نفس		
-دین کیا ہے اور دینداری کسے کہتے ہیں؟	احمد جاوید	۴۳
-کِینہ: ایک مہلک اخلاقی مرض	مدیر	۴۶
-ہم نے رمضان سے کیا حاصل کیا؟	حافظ محمد عمران طحاوی	۴۸
-ہمارا عقیدہ عمل میں کیوں نہیں ڈھلتا؟	سلمان آصف صدیقی	۵۰
تفہیم دین		
استفتاء: قادیانیوں کے بارے میں غامدی صاحب اور ان کے حمایتیوں کے مؤقف کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر محمد امین	۵۹
ملی مجلس شرعی		
قادیانیوں سے متعلق چیف جسٹس آف پاکستان کے فیصلے پر تبصرہ اور تجاویز	ملی مجلس شرعی	۶۵
اسلام اور مغرب		
-کیا سائنسی ترقی ناگزیر ہے؟	سرفراز احمد	۷۴
- یورپی یونین کی حجاب پر مجوزہ پابندی	اسعد مرزا	۷۹

مئی

فکرونظر
- پاکستان میں احیائے اسلام: نئے منہج کی ضرورت — مدیر — ۴
- آج کی عید۔غزہ کے نام — ۱۲

تعلیم وتربیت
- تسہیل القرآن — مدیر — ۱۰
- فرد کی تعمیر اور سماجی تبدیلی: بذریعہ تعلیم وتربیت — پروفیسر ملک محمد حسین — ۱۳
- پاکستانی یونیورسٹیوں میں تحقیق — ڈاکٹر سفیر اختر — ۱۹
- مدرسہ ڈسکورس: عمار ناصر کے کارنامے — عامرہ احسان — ۲۲
- دنیا کی انوکھی لائبریری — پروفیسر عاصم حفیظ — ۳۰

تزکیۂ نفس
- دنیا اور دولت کے بارے میں صحیح طرزِ عمل — حافظ محمد موسیٰ بھٹو — ۳۲

تفہیم دین
- پاکستان اور اسلام کا مجوزہ سیاسی نظام — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۳۵
  تبصرے، تجاویز.....اور ہمارا مؤقف
- مدیر البرہان بزدل ہے — پروفیسر عبدالرحمٰن — ۴۳
  قادیانیوں کے بارے میں جاوید غامدی وعمار ناصر کا مؤقف
- جدیدیت وفرقہ واریت کی بجائے امت کی نشأۃ ثانیہ — ڈاکٹر طفیل ہاشمی — ۴۷
- خدا اور حجام — ادارہ — ۵۰

تفہیم مغرب
- جمہوریت کی حقیقت — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۵۱

ملی مجلس شرعی
- مساجد ومدارس پر حکومتی قبضہ — ملی مجلس شرعی — ۶۲

جون

مقالۂ خصوصی
- مغرب کی 'جدیدیت' اسلام میں 'جاہلیت' ہے — مدیر — ۴

تعلیم وتربیت
- تسہیل القرآن — ۲۲
- سرسید کا پیغام اور مولانا نانوتویؒ کا جواب — مولانا اشرف علی تھانویؒ — ۲۴
- عربی تقریر وتحریر کا ملکہ کیسے پیدا کریں؟ — ڈاکٹر محمد اکرم ندوی — ۲۶
- انٹرنیٹ کا منفی استعمال: نقصانات اور ان سے بچنے کی تدابیر — مولانا محمد حنیف جالندھری — ۳۰
- مجلس علمی کراچی۔ایک تعارف — ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین — ۳۵
- تربیت ضروری ہے یا تعلیم؟ — حافظ عمران طحاوی — ۳۸

تفہیم دین
- مسلم معاشرے اور اسلامی سیکولرزم — ادارہ — ۴۲
- غامدی فکر کی بنیادی گمراہی کیا ہے؟ — مولانا یحییٰ نعمانی — ۴۴
- ادارتی قربانی کے مسائل — سید خالد جامعی — ۵۱

اسلام اور مغرب
- عالمِ اسلام میں مغرب جیسی ترقی کیوں ممکن نہیں؟ — سید خالد جامعی — ۵۵
- مغربی تہذیب کے پیدا کردہ مسائل کا حل اسلام میں کیوں؟ — بلال احمد — ۶۳

عالم اسلام
- مسئلہ فلسطین۔تاریخی پس منظر اور حقائق — ڈاکٹر شمس الحق حنیف — ۶۴

English Section ۷۷
Certainty and Change in Capitalist Order
Dr. Javed Akbar Ansari

جولائی

فکرونظر
- غزہ! تو زندہ رہے گا — مدیر — ۴
- تحریک اصلاح المسلمین — ۵

مقالۂ خصوصی
- اسلام اور مسلمانوں کا احیائے ثانی (نشأۃ ثانیہ) — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۷
  مسلمان ابھی تک زوال سے کیوں نہیں نکل سکے؟ کیسے نکل سکتے ہیں؟ اور مغرب کیوں غالب ہے؟

تعلیم وتربیت
- 'فلم' عمرو عیار۔چند ہوش ربا انکشافات — حافظ محمد عمران طحاوی — ۲۰
  ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس فلم پر فوراً پابندی لگائی جائے
- مدرسہ ڈسکورسز — مفتی یاسر ندیم الواجدی — ۲۴
- تعلیم وتربیت اور دینی عناصر کی غفلت — مدیر — ۲۷
- پاکستان میں تعلیم: تازہ اعداد وشمار — ادارہ — ۲۸

تفہیم دین
- جائز اختلاف اور گمراہی میں فرق — مدیر — ۲۹
  ان سکالرز اور علماء کے لیے جو جاوید غامدی اور عمار ناصر کو گمراہ نہیں سمجھتے
- تجدد دیوبندی مزاج کے خلاف ہے — محمد عرفان ندیم — ۳۷
- غامدی فکر کی بنیادی گمراہی کیا ہے؟ — مولانا یحییٰ نعمانی — ۴۰
- دین کا کام کرنے والے اکٹھے کیوں نہیں ہوتے؟ — محمد ادریس — ۴۷

فکرودانش
- محکوم قوم کی نشاندہی — علامہ ابن خلدون — ۴۸

اسلام اور مغرب
- سرمایہ دارانہ نظریۂ ضرورت۔ایک اسلامی محاکمہ — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۴۹
- عالمِ اسلام میں مغرب جیسی ترقی کیوں ممکن نہیں؟ — سید خالد جامعی — ۶۰

عالم اسلام
- مسئلہ فلسطین۔تاریخی پس منظر اور حقائق — ڈاکٹر شمس الحق حنیف — ۶۲

English Section ۸۲
Implication of the 2024-25 Budget
Dr. Javed Akbar Ansari

اگست

فکرونظر
- دینی سیاسی جماعتوں کے لیے ایک اہم تجویز — مدیر — ۴

تعلیم وتربیت
- یونیورسٹیوں میں تحقیق: ہم کہاں کھڑے ہیں؟ — ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر — ۶
- ہمارا تعلیمی بحران: ایک علمی وفکری نشست — حافظ محمد عمران طحاوی — ۷
- تعلیم اور اس کے نتائج: اقبال کی نظر میں — علامہ فاروق اکرم — ۹

اسلام اور پاکستان
- پاکستان بحرانوں کا شکار اور مغرب زدہ کیوں؟ — مفتی محمد تقی عثمانی — ۱۰
- دین کی بنیاد پر سماجی سہولت پروگرام — ڈاکٹر اکرام الحق یاسین — ۱۱

غامدیت
- گمراہی کیا ہے؟ — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۱۳
  علماء کرام جاوید غامدی اور ان کے ہمنواؤں کو گمراہ کیوں کہتے ہیں؟
- کیا غامدی گمراہ نہیں؟ قارئین کے خطوط — ادارہ — ۲۷
- غامدی صاحب کے ''جوابی بیانیے'' کی حقیقت — مدیر — ۲۸
  سیکولرزم کو مطابق اسلام ثابت کرنے کی کوشش کا جائزہ

عالم اسلام
- بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی — رضی الدین سید — ۴۶
- غزہ: آئندہ کے لیے لائحہ عمل — مدیر — ۵۵
- افغانستان کے تازہ ترین حالات — ذبیح اللہ مجاہد — ۵۷
- بنگلہ دیش: مظاہروں کے اصل اسباب — ڈاکٹر حسین احمد پراچہ — ۵۹

تبصرۂ کتب
- مبادیات علوم وفنون، مرتب مولانا ڈاکٹر حشمت علی صافی — ۶۲
- قلم کاشتہ: از ڈاکٹر انوار احمد بگوی — حافظ عمران طحاوی — ۶۳

English Section ۶۶
Science and Sectarianism
Prof. Nadeem Ghafoor Ch.

ستمبر

☜ تعلیم و تربیت

۔تعلیم بھی فوج کے سپرد — مدیر — ۴

۔دینی مدارس۔تنگ آمد بجنگ آمد — مفتی منیب الرحمٰن — ۵

۔لفظوں کے انتخاب نے.... — مدیر — ۸

۔ابن سینا کا نظریۂ تعلیم — سجاد الحق — ۹

☜ مقالۂ خصوصی

سپریم کورٹ اور مبارک ثانی کیس۔تفصیلی جائزہ — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی — ۱۵

☜ فکرودانش

مصنوعی ذہانت، ٹرانس ہیومنزم اور مابعد انسان دنیا کا روحانی چیلنج — شیخ کبیر ہیل منسکی — ۴۷

☜ تفہیم دین

۔ مسلمان زوال سے کیوں نہیں نکل پا رہے؟ — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۵۳

۔ قوموں کے عروج وزوال کا انحصار سائنس وٹیکنالوجی پر نہیں ہوتا: سائنس پرستوں کی غلط فہمیاں — سید خالد جامعی — ۵۸

☜ عالم اسلام/فلسطین

۔فلسطین! تری خاک کے ذروں کو سلام — سردار سلیم — ۶۲

۔خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے میں یہودی کردار — ادارہ — ۶۳

☜ غامدیت

جاوید غامدی کے گمراہ کن نظریات: ثبوت حاضر ہیں — ڈاکٹر مولانا الیاس فیصل — ۶۵

☜ اسلام اور مغرب

۔ لوگو! مغرب کی غلامی سے بچو — مولانا خلیل الرحمٰن چشتی — ۷۳

۔ اولمپک گیمز کی شہرت کے اسباب — طیب علی تگہ — ۷۵

English Section ۸۲

Financial Capitalism

Dr. Javed Akbar Ansari

اکتوبر

☜ فکرونظر

پیغامِ انقلاب — ۴

☜ ربیع الاوّل کا پیغام

۔قرآن اور سیرت — مولانا ابوالکلام آزادؒ — ۵

۔نغمۂ محمدی (نعت) — جان وولف وین گوئٹے — ۷

☜ عالم اسلام/فلسطین

ایک شہید فلسطینی بچے کی وصیت — محمد عبدالقادر الحسینی شہید — ۱۰

☜ تعلیم وتربیت

۔امام غزالیؒ: کا تصورِ علم، تعلیم اور تزکیہ — پروفیسر بختیار حسین صدیقی — ۱۱

۔پنجاب کے کالجوں میں مخلوط تعلیم کی بھرمار — پروفیسر عاصم حفیظ — ۲۳

☜ تفہیم دین

حرم مکی اور مدنی کی انتظامیہ کی خدمت میں چند گزارشات عمرہ اور حج پر جانے والی خواتین وحضرات توجہ فرمائیں — مدیر — ۲۶

☜ اسلام اور پاکستان

قادیانیت اور سپریم کورٹ کا فیصلہ — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۳۲

☜ غامدیت

قادیانیت اور غامدیت کے مشترکہ افکار — ڈاکٹر مولانا الیاس فیصل — ۳۴

☜ فکرودانش

مصنوعی ذہانت، ٹرانس ہیومنزم اور مابعد انسان — شیخ کبیر ہیل منسکی — ۳۹

☜ اسلام اور مغرب

کیا احتجاج سے نفاذِ اسلام کی راہ ہموار ہوسکتی ہے؟ — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۴۷

☜ تبصرۂ کتب

۔ ماہنامہ ترجمان القرآن کا 'احیائے اسلام' نمبر — مدیر — ۵۳

۔ مولانا ظفر علی خان اور اُن کا عہد — حافظ عمران طحاوی — ۶۰

English Section ۶۶

Why revolution is no longer possible?

Byung-Chul Han

نومبر

☜ فکرونظر

طریقِ مجددی پر عمل کی ضرورت — مدیر — ۴

☜ تعلیم وتربیت

۔دینی مدارس میں عصری علوم بھی پڑھائے جائیں — مولانا سلیم اللہ خانؒ — ۵

۔مسلم تعلیم: دو عالمی کانفرنسوں کی سفارشات — پروفیسر بختیار حسین صدیقیؒ — ۶

۔تعبیرات اور مابعد الطبیعیات کا باہمی تعلق — محمد بلال — ۱۴

۔نظام تعلیم وتربیت اور مسلم نشأۃ ثانیہ مدیر البرہان کی کتاب کی رونمائی — حافظ محمد عمران طحاوی — ۱۶

☜ اسلام اور پاکستان

دستور میں اسلامی ترامیم بھی کی جائیں — ملی مجلس شرعی — ۱۸

☜ تفہیم مغرب

امریکا میں صہیونی لابی کا کردار — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۲۰

☜ فکرودانش

مصنوعی ذہانت۔مثبت رُخ — مفتی منیب الرحمٰن — ۲۵

☜ تفہیم دین

۔ نظم اجتماعی میں عورتوں کی شمولیت — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۳۲

۔ حق اور علمائے عزیمت — محمد بلال — ۳۶

☜ تبصرۂ کتب وجرائد

ترجمان القرآن اکتوبر ۲۰۲۴ء — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۳۷

English Section ۶۶

Orientalists' Influence on the Intellectual Framework of Jāved Ahmad Ghāmidī

Dr. Alam Khan

دسمبر

☜ فکرونظر

مغربی ٹیکنالوجی کی مزاحمت ناگزیر ہے — مدیر — ۴

☜ مقالۂ خصوصی

ہمارے معاشی بحران کا حل۔قرآن کی روشنی میں — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۶

☜ تعلیم وتربیت

۔علماء کون ہیں؟ — مریم جمیلہؒ — ۱۱

۔''قابل بنو'' لڑکیو! آئی ٹی کی تعلیم حاصل کرو — مدیر — ۱۷

۔تعلیم کی نجکاری کے نقصانات — محمد ابراہیم — ۱۹

۔اپنی اصلاح پہلے، دوسروں کی بعد میں — حافظ محمد موسیٰ بھٹو — ۲۹

۔مخلوط تعلیم غیر اسلامی ہے اور اعلیٰ تعلیم ہر طالبہ کے لیے غیر ضروری ہے — مدیر — ۳۰

☜ تفہیم مغرب

ٹرمپ کی کامیابی سے اسلامی انقلابی کیا سیکھ سکتے ہیں؟ — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۳۷

☜ غامدیت

۔ غامدی اور پرویز کے افکار میں مماثلت — مولانا ڈاکٹر الیاس فیصل — ۴۴

☜ تفہیم دین

۔ مسلم فکر کی تاریخ کا مختصر جائزہ مسلم نشأۃ ثانیہ کے حوالے سے — ڈاکٹر الطاف جاوید — ۵۱

☜ پاکستانیات

۔ اجتماعی مایوسی سے کیسے بچا جائے؟ — مفتی محمد تقی عثمانی — ۵۷

۔ پاکستانی قوم کا اختلالِ مزاج — پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد — ۵۸

☜ فکرودانش

ایک ارب پتی امریکی کی وصیت جو ہمارے لیے بھی سبق آموز ہے — اسٹیو جابز — ۶۰

English Section ۶۶

Excluding Women from Public Order

Dr. Javed Akbar Ansari

between America, Britain and Australia (AUKUS) to advance military security in the Asia Pacific region through deployment of technologies essential to cyber and electronic warfare and nuclear powered submarines. Both Indonesia and Malaysia have resented the formation of AUKUS but AUKUS is being expanded to include Japan and New Zealand.

Conclusion

America seeks to consolidate its military grip on the world system because of the continuing decline in its economic and political dominance in the global arena. The ability to translate military power into economic and political hegemony is limited. Neither America nor China can afford an all-out nuclear confrontation. Hence the emphasis in American foreign policy is on containment – not only in the Asia Pacific region but also in Euro Asia and the Middle East.

The Asia Pacific region is seen by many as the industrial center of the global capitalist system gradually slipping away from the economic/financial grip of America. China as an imperialist power is integrating the East Asia region within its own economic and financial system. In 2017 Chinese loans and aid to the Asia Pacific nations amounted to $36 billion as against $3 billion from America. Both America and China are preparing for an intra-civilization clash in the Asia Pacific region. Muslim states in and around the region – Indonesia, Malaysia, Burnie, Bangladesh, Pakistan, the UAE, Saudi Arabia and other Gulf States should seek to avoid involvement in these inter-imperialist battles. But given the type of rulers they currently have this seems unlikely.

American hegemony in the Asia Pacific region. In this respect America relies on allied nations – especially India's – naval power. America commands the naval operation of its defence alliance partners Australia, Japan, Philippines, South Korea and Thailand. Efforts are being made to establish naval partnerships with Indonesia, Malaysia, New Zealand, Singapore and Vietnam. A major defence partnership has been established with India in 2016. India has been designated as a "net security provider" and all restrictions on its military technology purchases from America have been lifted. India's military purchases from America increased from $11 millions in 2008 to over $23 billion in 2023. America has offered India a Missile Technology Control Regime Category-1 Unmanned Aerial System in 2024. However India at least at present is not fully committed to America's Asia Pacific agenda. Its strategic partnership agreement with China signed in 2005 still exists and in 2024 it negotiated a border dispute settlement with China.

In 2024 the United States, Australia and Japan jointly conducted naval exercises within China's maritime borders. American naval fleets routinely pass through the Chinese territorial waters including through the Taiwan straits. The United States has 66 "defence sites" spread throughout the Asia Pacific region having about 400,000 military personnel. In total over 400 American bases surround China. The bases in the Asia Pacific region are crucial for maintaining American naval superiority. During 2011 to 2024, 12 new bases were established in Australia and the Philippines.

Military bases under the Compact of Free Association (COFA) are also being established in the Pacific island countries: Micronesia, Marshall Islands and Palau. COFA was renewed in 2023. In 2021 a new military bloc was established

and its ally North Korea has sent troops to fight Russian's war on Ukraine.

America's apparent intention to restrict inter-imperialist conflict to the Asia Pacific region amounts to increased weaponization of all its political and economic initiatives in this region – including within Chinese territorial waters. The purpose of such interventions is the overthrow of Xi's regime and the erosion of CPC's authority in China.

The military build-up in the Asia Pacific thus has a clear political objective. Central to this weaponization is the conversion of India into "a net security provider" through QUAD and the gradual intervention of NATO within the Asia Pacific region (as recently proposed by an ex Japanese Prime Minister). Within the region America envisages the transition of economic power into military – strategic power. For this purpose trade relation between American and Asia Pacific nations are being weaponised.

America has formal defense alliance treaties with Australia, Japan, Philippines, South Korea and Thailand with troops and bases in all these countries. In April 2024 America started deploying intermediate range land based missile systems in the Asia Pacific region. This is the first time America has established such a system anywhere in the world. These missile systems have both nuclear and non-nuclear payloads. They have a range of 1000 kilometers capable of reaching the East coast of China and the Taiwan Straits. Effectively a (nuclear) arms race is underway in the Asia Pacific region. The deployment of these weapon systems is supplemented by surveillance swap arrangements between America, Britain, Canada, Australia and New Zealand ('The Five Eyes ').

The deployment of naval power is crucial for establishment of

multinationals are major investors in China. On the other hand containing China requires the imposition of barriers to technology transfer and the initiation of not only trade wars but also surrounding China through expanding military bases and anti-China political alliances (e.g. QUAD). The 'containing China' project is problematic for America (as are most inter-imperialist conflicts).

It must be stressed that America is waging the New Cold War to contain China not to destroy it. America's principal aim is to achieve regime change in China – i.e. to replace the leadership of the Communist Party with the likes of those such as Deng Xiaoping and Jiang Zemin who are inclined to submit to the discipline of the America dominated rule based " international order" and abandoning the quest for Chinese imperialist regional hegemony. Xi's policies especially the Belt and Road project are a major departure from the Deng/Zemin policy stance and this is a major target of the American New Cold War against China.

The main theatre of the New Cold War was at least originally seen to be the Asia Pacific region and the main imperialist contenders as America and China. During Trump's first term (2017-2020) attempts were made to develop a Russia-America alliance. This attempt apparently collapsed in 2022 when Russia invaded Ukraine and developed a close relationship with China. But the new Trump administration is seeking to close the EuroAsia arena and take the War back to the Asia Pacific region (inter imperialist conflict seems unlikely in West Asia as neither Russia nor China seem inclined to challenge American domination in this region). China seems interested in expanding the Cold War regional theatre and has supplied gunpowder, semiconductors and drones to Russia

formidable enemy, has two allies – the “malign” state Russia and the rogue state North Korea. These three states are being gradually excluded by America from participating in the “rule based” international order functioning under US hegemony. The US military endorses the need to inflict a humiliating defeat on these enemy states leading to a regime collapse in them and the subsequent acceptance by them of American global hegemony. It is conceived that the Asia Pacific region is the theater where such a defeat can be most conveniently inflicted on China and its two rogue allies.

Since the coming ‘cold war’ is to be fought with the assistance of regional allied countries such as India, Philippines, Indonesia and Vietnam, they have to be convinced that China poses a security threat – that China’s moves to thwart the grip of American regional influence undermines their national interests and sovereignty. This is proving to be difficult since the military expenditure of most American allies in the region (with the exception of India) has been declining during 2011-2023 and many of them have established close economic relations with China and this also includes India. With the exception of Japan, no American regional ally is enthusiastic about the confrontation over Taiwan.

The Asia Pacific Region in the New Cold War

China’s spectacular economic growth during 1953-2020 , since 2020-21 Chinese growth rake has been delining and its associated political ambitions have caused America to formulate a New Cold War strategy aimed principally at containing China. But America’s (since 2020/2021 the Chinese GDP growth rate has been declining) relationship with China is multi-faceted. On the one hand China has invested trillions of dollars in US Treasury Bills, China imports sustain American growth and American

sub-imperialist colonies is pursued with vigour. This colonial strategy is routinely practically articulated by the Indian Navy's operations under American command in the South China Sea.

The project to establish sub-imperialist colonies in the Asia Pacific region has also led to the formation of the Quadrilateral Security Dialogue (QUAD). The QUAD system comprises of America, Australia, India and Japan. In effect QUAD is a military alliance despite the fact that India (unlike Japan, Australia) does not have a Defence Treaty with America. QUAD and other strategic arrangements in the Asia Pacific region indicate that America does not seek to extend its sovereign power (except in Guam and American Samoa) in the region but it seeks to establish its hegemony with the help of existing (India, Australia) and potential (Philippines, Indonesia and Vietnam) sovereign allies.

The 2017 National Security Strategy announced by the Trump administration conceived of the Asia Pacific region as a theater of a coming war with China. Today Trump seems intent on launching a new cold war to be fought mainly by US regional allies (India, Australia, Philippines and Indonesia) with American naval, air and intelligence support. The war is likely to remain "cold" with the primary use of tariffs, trade blockades, sabotage and sanctions etc. but "hot spots" (Taiwan, Chinese artificial islands in the South China Sea) and naval confrontation may appear and escalate. America will continue to surround China within a "giant noose" of strategic military bases and China will continue to try to reach out of this "noose" and push back American presence vis-à-vis Taiwan and the South China Sea.

As conceived by America the Indo Pacific region has about 40 state members. In this American perspective, China, the

Dr. Javed Akbar Ansari

American Imperialist strategy in the Asia Pacific Region

The Asia Pacific region stretches from the Western coast of India to the Eastern coast of the United States, according to American imperialist strategy. Its significance as an imperialist arena was proposed by Karl Haushofer, a German geopolitical theorist in 1924, who served as a mentor to both Adolf Hitler and Rudolf Hess (the deputy Führer/leader of the Nazi party). Haushofer conceived of Asia Pacific as a strategic region under the political hegemony of Germany, Japan and the USSR to counter British American dominance there as well as in the Euro Atlantic zone.

Haushofer's ideas became popular in America during the Second World War period and there has been a distinct rehabilitation of this line of thought since the 1990s and the Asia Pacific region – renamed as the Indo-Pacific – has become a focus of imperialist contestation between America and China. The Indo-Pacific has thus become a theater of inter imperialist rivalry where America and China are confronting each other to constrain the growth of each other's power. In this context, China is seen by America as a "revisionist power" seeking to subvert American global hegemony.

America now defines itself as an "Indo Pacific" power openly seeking regional dominance in the Asia Pacific region. America has established several colonies in the Pacific Ocean and uses them as military bases and launching pads. The confluence of the Indian and Pacific Oceans is stressed by the Amrican stratigies and the attempt to convert countries bordering the Indo Pacific region (India, Sri Lanka, Saudi Arabia, the UAE and the South Eastern nations) into